مطالعاتی رہنما

ایم فل پاکستانی زبانیں و ادب
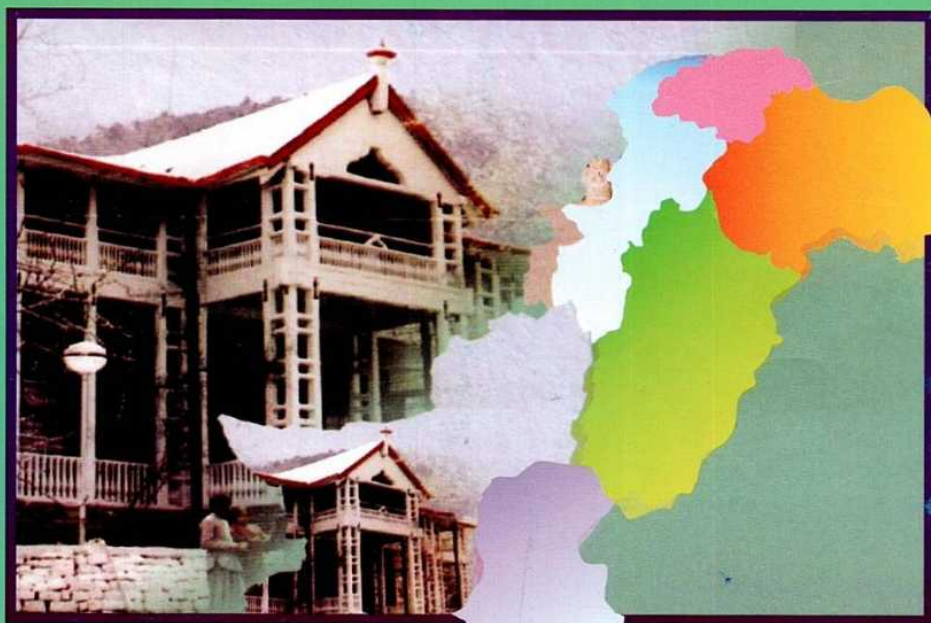
کورس کوڈ 2722

یونٹ 1 تا 9

بلوچی، براہوئی زبان و ادب

شعبہ پاکستانی زبانیں

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
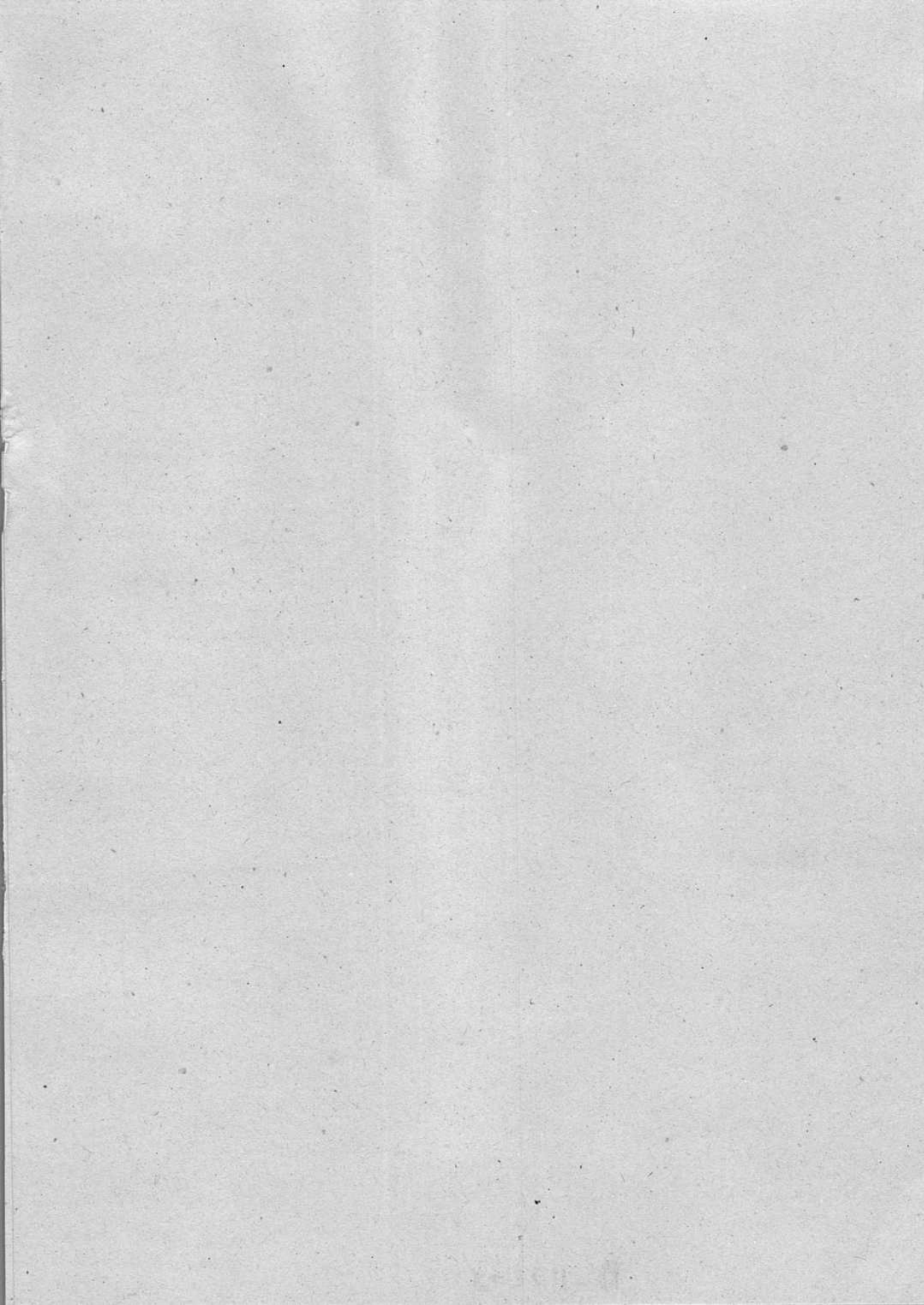
بلوچی، براہوئی زبان وادب

ایم فل: پاکستانی زبانیں وادب

کورس کوڈ:2722

یونٹ:1 تا9

شعبہ پاکستانی زبانیں

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس ٹیم

چیئرمین:	ڈاکٹر عبداللہ جان عابد
ادارۂ تحریر:	واحد بزدار
	ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی
نظر ثانی:	ایوب بلوچ
	ڈاکٹر عبدالرزاق صابر
	حسین بخش ساجد
تدوین/فاصلاتی تشکیل:	ڈاکٹر انعام الحق جاوید
	ڈاکٹر عبداللہ جان عابد
	حسین بخش ساجد
پروگرام رابطہ کار:	ڈاکٹر عبداللہ جان عابد
کورس رابطہ کار:	ضیاء الرحمٰن بلوچ

فہرست

صفحہ نمبر

☆ پیش لفظ vii

☆ ایم فل پاکستانی زبانیں وادب: ایک تعارف ix

☆ کورس کا تعارف xi

حصہ اول

بلوچی:

یونٹ نمبر 1 .... بلوچی زبان کا آغاز وارتقا 1

یونٹ نمبر 2 .... قدیم شعری ادب 29

یونٹ نمبر 3 .... قدیم نثری ادب 57

یونٹ نمبر 4 .... جدید شعری ادب 69

یونٹ نمبر 5 .... جدید نثری ادب 85

حصہ دوم

براہوئی:

یونٹ نمبر 6 .... براہوئی زبان کا آغاز وارتقا 103

یونٹ نمبر 7 .... قدیم براہوئی ادب 131

یونٹ نمبر 8 .... جدید شعری ادب 161

یونٹ نمبر 9 .... جدید نثری ادب 175

پیش لفظ

زبانیں آپس میں ربط وتعلق کا ذریعہ ہوتی ہیں اور انہی کے ذریعے ایک دوسرے کے مافی الضمیر اور احساسات و جذبات کو سمجھا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں ان کی اہمیت مسلم رہی ہے۔ وطن عزیز پاکستان میں بھی کئی زبانیں بولی جاتی ہیں جو کہ ظاہری طور پر مختلف ہونے کے باوجود اپنے اندر اشتراک کے کئی پہلو رکھتی ہیں۔ اس گہرے تعلق واشتراک کی بنیادی وجہ پاکستانی ادب کا سماجی، روحانی اور جغرافیائی پس منظر کا ایک ہونا ہے۔

ایک تحقیق کے مطابق دنیا میں اس وقت زندہ زبانوں کی تعداد 6809 ہے جبکہ 7.1 فی صد زبانیں خطرات سے بھی دوچار ہیں مگر یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ پاکستان میں بولی جانے والی زبانیں ترقی کی منازل طے کر رہی ہیں اور ان زبانوں اور ان کے ادب کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ ہماری یہ زبانیں اتنی اہم ہیں کہ اس وقت دنیا کی کئی یونیورسٹیوں میں ان پر تحقیقی کام سرانجام دیا جارہا ہے اور ان کی قدامت اور تاریخ وادب پر مقالات تحریر کیے جارہے ہیں۔ وطن عزیز میں بھی مختلف یونیورسٹیوں میں پنجابی، سندھی، پشتو، بلوچی، براہوئی اور سرائیکی میں ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح تک تعلیم دی جارہی ہے اور ان پر تحقیقی کام ہو رہا ہے تاہم اب تک کسی یونیورسٹی میں زبان وادب کی سطح پر کوئی ایسی ڈگری نہیں تھی جو پاکستان کی تمام زبانوں اور ان کے ادب پر محیط ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سے زیادہ زبانوں اور ان کے ادب کے متعلق معلومات رکھنے والے ماہرین یا اسکالروں کی کمی پوری کرسکتی ہو جس کی ضرورت اندرون ملک بھی ہے اور بیرون ملک بھی۔

مجھے اس بات کا قوی یقین ہے کہ ''ایم فل پاکستانی زبانیں وادب'' کا یہ پروگرام یونیورسٹی کے دیگر ایم فل پروگراموں میں ایک خوش آیند اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ قومی یکجہتی اور لسانی ہم آہنگی کے فروغ میں ایک اہم سنگ میل ثابت ہوگا اور اس پروگرام کے طلبہ پاکستانی زبانوں اور ان کی منفرد و مشترک ادبی روایات سے متعارف ہو کر قومی مفاہمت کے فروغ میں اہم کردار ادا کریں گے نیز یہ کورس ان کی تعلیمی استعداد اور دائرہ ءِ کار میں اضافے کا سبب بھی ہوگا۔

وائس چانسلر

ایم فل پاکستانی زبانیں و ادب

ایک تعارف

وطن عزیز پاکستان ایک کثیر لسانی خطہ ہے جہاں کئی زبانیں بولی جاتی ہیں، جن میں سے ہر زبان کی اپنی ایک الگ اور منفرد شناخت کے ساتھ ساتھ اپنی ایک تاریخ اور ادبی حیثیت ہے تاہم یہ زبانیں اپنے اندر کئی مشترک عناصر بھی رکھتی ہیں جو لسانی ہم آہنگی اور قومی یکجہتی کے امین ہیں اور جنہیں اجاگر کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر اس پروگرام کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ یوں تو اس وقت ملک کے چاروں صوبوں میں پنجابی، پشتو، بلوچی، سرائیکی، براہوئی اور سندھی کو انفرادی طور پر مختلف تعلیمی سطحوں پر پڑھایا جا رہا ہے، مگر ان تمام زبانوں اور ان کے ادب کو کسی ایک اعلیٰ سطحی کورس کے ذریعے اجتماعی صورت میں پڑھانے کی ابتداء علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے کی جا رہی ہے۔ یقیناً یہ اپنی نوعیت کا پہلا پروگرام ہے، جو طالب علم کو اردو، بلوچی، براہوئی، پشتو، سندھی، سرائیکی، پنجابی، کشمیری، پہاڑی، ہندکو، گوجری، بلتی، شنا، کھوار، توروالی، گاوری، بروشسکی، وخی اور ان زبانوں کے مختلف لہجوں کی ساخت، آغاز و ارتقاء، لسانی گروہ، جغرافیے، ادبی سرمایے کے مشترک عناصر اور مشترک ادبی رجحانات و اقدار سے شناسائی پیدا کرنے میں مددگار ثابت ہوگا۔

اس پروگرام کے چیدہ چیدہ مقاصد یہ ہیں۔

1۔ قومی یکجہتی اور ملی ہم آہنگی کے فروغ کے لئے طلبہ و طالبات کو پاکستانی زبانوں کے مشترک نقوش، بین اللسانی روابط اور مشترک ادبی رجحانات سے روشناس کرانا۔

2۔ پاکستانی زبانوں کی منفرد لسانی شناخت اور انفرادی رجحانات سے روشناس کرانا۔

3۔ طلبہ کی تعلیمی استعداد اور دائرہ ءکار میں اضافہ کرنا۔

4۔ طلبہ و طالبات میں تمام پاکستانی زبانوں کے بارے میں مثبت سوچ پیدا کرنا۔

5۔ طلبہ و طالبات کو پاکستانی زبانوں اور ان کے ادب کے بارے میں مطالعاتی اور تحقیقی بنیاد فراہم کرنا۔

6۔ جو طلبہ و طالبات اپنے حالات کی بنا پر یونیورسٹیوں میں باقاعدہ طالب علم بن کر اپنی مادری زبان (جس میں انہوں نے ایم اے کیا ہو) میں ایم فل نہیں کر سکتے، لیکن ایم فل کرنے کے آرزومند ہیں۔ انہیں فاصلاتی نظام کے تحت ''ایم فل پاکستانی زبانیں و ادب (اپنی مادری زبان کی تخصیص کے ساتھ)'' کرنے کی سہولت مہیا کرنا۔

یونیورسٹی قواعد کے مطابق ایم فل کا ہر پروگرام آٹھ مکمل کریڈٹ کورسوں پر مشتمل ہوتا ہے، جن میں سے چار مکمل کریڈٹ کورس ورک کے لیے اور چار مکمل کریڈٹ تحقیقی مقالے (تھیسز) کے لیے مختص ہوتے ہیں۔ ''ایم فل پاکستانی زبانیں و

ادب'' کا کورس ورک بھی چار حاصل کریڈٹ پر مشتمل ہے (جن میں سے چھ کورس نصف نصف کریڈٹ کے اور ایک مکمل کریڈٹ کا ہے)۔ پہلے سمسٹر میں چار نصف کریڈٹ اور دوسرے سمسٹر میں دو نصف کریڈٹ اور ایک مکمل کریڈٹ کورس پیش کیا جائے گا۔
کورسز کی تفصیل درج ذیل ہے:

(کورس ورک)

پہلا سمسٹر

1۔ پاکستانی زبانوں کا تقابلی مطالعہ، ادبیات پاکستان کا تقابلی مطالعہ، اردو زبان و ادب (نصف کریڈٹ) 2721

2۔ بلوچی، براہوئی زبان و ادب (نصف کریڈٹ) 2722

3۔ پشتو، ہندکو، توروالی، گاوُری زبان و ادب (نصف کریڈٹ) 2723

4۔ پنجابی (بشمول پوٹھوہاری، دھنی، چھاچھی اور دیگر لہجے) پہاڑی، گوجری زبان و ادب (نصف کریڈٹ) 2724

دوسرا سمسٹر

5۔ سندھی، سرائیکی، کشمیری زبان و ادب (نصف کریڈٹ) 2725

6۔ شمالی علاقہ جات کی زبانیں (بلتی، شنا، کھوار، بروشسکی، وخی) و ادب (نصف کریڈٹ) 2726

7۔ اصول تحقیق (زبان و ادبیات) (مکمل کریڈٹ) 2727

(ریسرچ ورک)

تیسرا و چوتھا سمسٹر

8۔ تحقیقی مقالہ چار مکمل کریڈٹ 2728

(ڈاکٹر انعام الحق جاوید)

چیئرمین/ پروگرام کوآرڈینیٹر

کورس کا تعارف

''ایم فل پاکستانی زبانیں وادب'' کا دوسرا کورس ''بلوچی، براہوئی زبان وادب'' پیش خدمت ہے، جس میں شرکت پر ہم انتہائی نیک تمناؤں کے ساتھ آپ کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ 9 یونٹوں پر مشتمل یہ نصف کریڈٹ کورس صوبہ بلوچستان میں بولی جانے والی دو اہم زبانوں بلوچی اور براہوئی سے متعلق ہے، جس کے حصہ اول کے پانچ یونٹ بلوچی زبان وادب اور حصہ دوم کے چار یونٹ براہوئی زبان وادب کے بارے میں ہیں، جو کہ متعلقہ زبانوں کے ماہر اسکالروں اور اساتذہ کے تحریر کردہ ہیں۔

یونٹ نمبر 1 میں بلوچی زبان کے آغاز وارتقاء، اس کے لہجوں، حروف تہجی اور رسم الخط کے علاوہ بلوچی کے بنیادی قواعد اور اردو سے اس کے ربط وتعلق پر روشنی ڈالی گئی ہے، جب کہ دوسرا اور تیسرا یونٹ اس زبان کے قدیم شعری ادب اور قدیم نثری ادب کے مباحث پر مبنی ہے۔ چوتھے اور پانچویں یونٹوں میں بالترتیب بلوچی کی جدید شاعری اور جدید نثر کا احاطہ کیا گیا ہے۔

یونٹ نمبر 6، براہوئی زبان کے آغاز وارتقاء، اس کے لہجوں، حروف تہجی اور رسم الخط کے علاوہ براہوئی کے بنیادی قواعد اور اردو کے ساتھ براہوئی کے لسانی روابط پر مشتمل ہے۔ یونٹ نمبر 7 میں قدیم براہوئی ادب کا جائزہ پیش کیا گیا ہے، جس میں مجموعی طور پر اس زبان کی کلاسیکی نظم ونثر کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ یونٹ نمبر 8 اور یونٹ نمبر 9 کا تعلق بالترتیب، جدید شعری ادب اور جدید نثری ادب سے ہے، جن میں اس زبان کے جدید ادب سے متعلق مختلف اصناف وموضوعات زیر بحث لائے گئے ہیں، چونکہ آپ ''ایم فل پاکستانی زبانیں وادب'' (M.Phil Pakistani Languages & Literature) جیسی اہم اور اعلیٰ تعلیمی سطح پر پاکستانی زبانوں اور ان کے ادب کا مطالعہ کر رہے ہیں، اس لئے آپ مطالعاتی رہنما کے ان یونٹوں پر اکتفا نہ کریں بلکہ اپنے مطالعہ کی وسعت کی خاطر اس کورس کے لئے درج شدہ مجوزہ کتب سے بھی لازماً استفادہ کریں۔

کورس کے مقاصد:

اس کورس کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو سکیں گے کہ:

1۔ بلوچی اور براہوئی زبانوں کے آغاز و ارتقاء، مختلف لہجوں، لسانی جغرافیہ، رسم الخط، حروف تہجی، بنیادی قواعد اور اردو سے ربط و تعلق کے بارے میں بحث کر سکیں۔

2۔ ان زبانوں کی قدیم نظم و نثر کی تاریخ سے آگاہ ہو سکیں اور ساتھ ہی ان کے ادب کے عہد بہ عہد ارتقا کے بارے میں جان سکیں۔

3۔ ان زبانوں کی جدید شاعری کے نمایاں فکری و فنی رجحانات سے آگاہ ہو سکیں نیز ان زبانوں کے جدید شعری ادب کے فروغ کے حوالے سے نمایاں خدمات سرانجام دینے والے اہم شعراء کے فن کے بارے میں جان سکیں۔

4۔ قومی زبان کے ذریعے ان زبانوں کے ادب کا مطالعہ کر کے اپنے ہم وطنوں کے جذبات و احساسات سے آگاہ ہو سکیں۔

5۔ بلوچی، براہوئی زبان و ادب کے بارے میں مجموعی طور پر جان سکیں۔

امتحانی مشقیں اور آخری امتحان

اس کورس کے دوران آپ دو امتحانی مشقیں حل کر کے اپنے ٹیوٹر (اتالیق) کو مقررہ تاریخ تک بھیجیں گے۔ ٹیوٹر ان پر نمبر لگا کر مفصل ہدایات کے ساتھ ہر مشق آپ کو واپس کر دیں گے۔ کورس کے خاتمے پر امتحان لیا جائے گا۔ اس کا پروگرام اور رولنمبر مناسب وقت پر آپ کو بھیج دیئے جائیں گے۔ اس کورس میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے امتحانی مشقوں اور آخری امتحان کو برابر کی اہمیت حاصل ہے اور دونوں میں الگ الگ پاس ہونا لازمی ہے۔ مشقوں میں کامیابی کیلئے کم از کم چالیس فی صد (40%) اور آخری امتحان میں پچاس فی صد (50 %) نمبر حاصل کرنا ضروری ہے۔

امید ہے کہ آپ اوپن یونیورسٹی کے اس فاصلاتی نظام اور اس کی فراہم کردہ سہولتوں سے خاطر خواہ فائدہ اٹھائیں گے۔

(ڈاکٹر انعام الحق جاوید)

کورس رابطہ کار

یونٹ نمبر 1

بلوچی زبان کا آغاز وارتقا

تحریر: واحد بزدار
نظرثانی: ایوب بلوچ

یونٹ کا تعارف

اس یونٹ کا موضوع بلوچی زبان کا آغاز و ارتقا ہے۔ بلوچی قدیم ایرانی زبان ہے اور اپنی فونیمی (Phonemic) خصوصیات کے اعتبار سے فارسی اور دری زبانوں سے کہیں زیادہ اوستائی اور پہلوی سے مشابہت اور قربت رکھتی ہے۔ تاریخی لسانی رشتوں اور ماضی کی جغرافیائی قربت وتعلق کے باعث بلوچی پر وسطی فارسی اور پارتی دونوں کا اثر بہت گہرا ہے۔ اس یونٹ میں بلوچی کے آغاز و ارتقا کے بارے میں ماہرین لسانیات کی آراء کے علاوہ اس زبان کے لہجوں، حروف تہجی، لسانی جغرافیہ، بنیادی قواعد اور اردو کے ساتھ بین اللسانی روابط پر بحث کی گئی ہے۔ یونٹ کے آخر میں ابتدائی بول چال کے چند فقرے اور گنتی بھی دی گئی ہے۔ ایم فل پاکستانی زبانیں وادب کا طالب علم ہونے کے ناتے آپ اس یونٹ کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ بلوچی زبان سے متعلق مجوزہ امدادی کتب کو بھی پیش نظر رکھیں۔

مقاصد

اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1- بلوچی زبان کے آغاز و ارتقا اور اس کے متعلق ماہرین السنہ کی آراء اور نظریات کے بارے میں بحث کر سکیں۔

2- اس زبان کے مختلف لہجوں اور ان میں فرق کے علاوہ ان کی ادائیگی کے بارے میں وضاحت کر سکیں۔

3- بلوچی کے لسانی جغرافیہ، حروف تہجی اور ان کی علامات اور آوازوں پر روشنی ڈال سکیں۔

4- بلوچی کے بنیادی قواعد اور اردو اور بلوچی کا ربط وتعلق جان سکیں اور ان دونوں زبانوں کے مشترک الفاظ کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔

5- روزمرہ استعمال کے چند ابتدائی بلوچی جملے بول سکیں۔

فہرست

یونٹ کا تعارف اور مقاصد	2
1- بلوچی زبان کا آغاز وارتقا	5
2- بلوچی کے لہجے	7
2.1- مشرقی لہجہ	7
2.2- مغربی لہجہ	7
2.3- لہجوں کا فرق	7
3- لسانی جغرافیہ	9
4- حروف تہجی	10
4.1- بلوچی کے بنیادی حروف	10
5- اردو اور بلوچی کے بین اللسانی روابط	12
6- چند بنیادی قواعد	17
7- ابتدائی بول چال کے جملے اور گنتی	25
☆ خود آزمائی	27
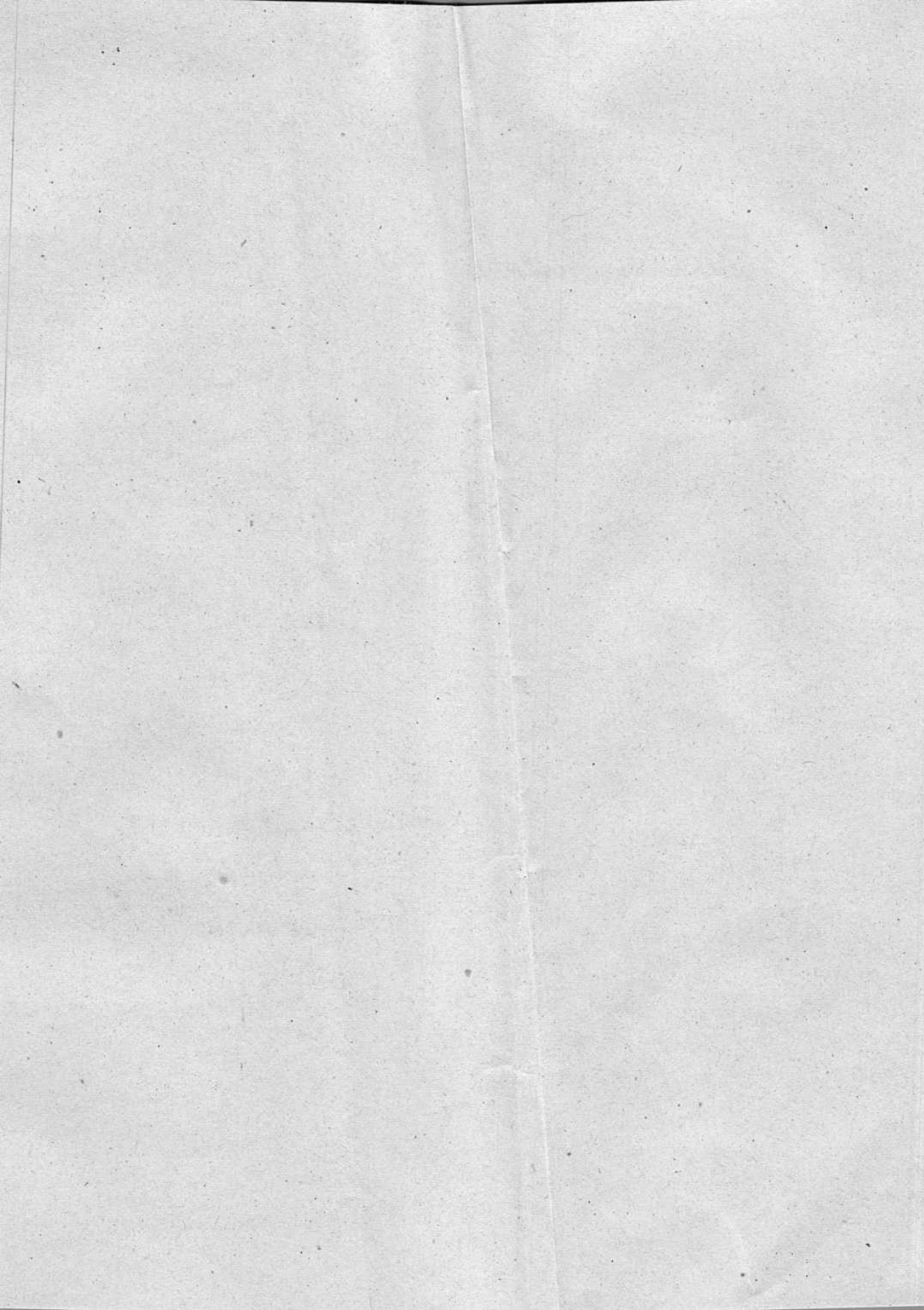
1- بلوچی زبان کا آغاز وارتقا

ہند یورپی گروہ، جو دنیا کی زبانوں میں سب سے اہم گروہ ہے، ماہرین لسانیات نے اسے کئی لسانی خاندانوں میں تقسیم کیا ہے۔ اسی لسانی گروہ کا ایک بڑا خاندان ہند ایرانی کہلاتا ہے۔ گریئرسن نے ہند ایرانی خاندان کو مزید تین ذیلی شاخوں یعنی ایرانی، دردی یا پشاچی اور ہند آریائی میں تقسیم کیا ہے۔

بلوچی زبان ایرانی زمرے سے تعلق رکھتی ہے جو ایشیاء کے ایک وسیع وعریض خطے میں بولی جاتی ہے۔ ہند ایرانی کی ذیلی شاخ ''ایرانی'' کی قدیم ترین دستاویز ''اوستا'' ہے۔ جبکہ ''مادی زبان'' کو ایران کی قدیم ترین زبان خیال کیا جاتا ہے۔ ابتدائی بابلی اور حطی دستاویزوں میں کسی ''ماد'' قوم کی طرف اشارے ہیں۔ یہ لوگ غالباً ایران کے ''ماد'' (میڈیوں) کے آباؤ اجداد تھے جو عراق، کردستان اور مغربی ایران میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ ملک الشعراء محمد تقی بہار نے ان کی زبان کو ''زبان مادی'' کے نام سے موسوم کیا ہے اور ایران کی قدیم ترین زبان قرار دیا ہے۔ (ح۔1)

ساتویں اور آٹھویں صدی قبل مسیح میں ایران کے ایک بڑے حصے پر ان کی حکومت رہی۔ ''کورش ہخامنشی'' نے اس حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ چونکہ ایران کے ایک بڑے خطے میں ''زبان مادی'' کا چلن تھا۔ اس لئے ہخامنشی بادشاہوں نے اپنے کتبوں اور لوحوں میں ہخامنشی فارسی کے ساتھ ساتھ ''زبان مادی'' کے استعمال کے احکام دے رکھے تھے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ''کردی زبان جو ''ایرانی'' کی ایک شاخ ہے۔ دراصل ''زبان ماد'' کی باقیات الصالحات میں سے ہے۔'' (ح۔2)

بلوچ محققین عبدالصمد امیری اور میر شیر محمد مری مادی زبان میں لکھے ہوئے ہخامنشی بادشاہوں کے ان یادگاری کتبوں اور لوحوں کی تحریروں کو بلوچی زبان سے گہری مشابہت اور خواندگی کی بنا پر بلوچی زبان ہی کی قدیم ترین عبارت قرار دیتے ہیں۔ (ح۔3)

گریئرسن کا خیال بھی یہی ہے کہ ''بلوچی زبان کا تعلق انڈو یورپین زبانوں کے ایرانی سلسلے سے ہے اور اس کا سرچشمہ مادی زبان ہے۔ بلوچی لہجہ ایران کے عیسوی دور سے قبل کے قدیم شاہی خاندانوں کی یادگار ہے۔ اسے فارسی باستان یا دوسرے الفاظ میں ہخامنشی زبان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔'' (ح۔4)

پروفیسر میر عاقل خان مینگل کے مطابق ''بلوچی اور کردی دونوں زبانوں کی ابتداء بحیرۂ خزر کے جنوب مشرقی ساحل سے ہوئی اور ان کا ماخذ ''مادی زبان'' ہے۔ (ح۔5)

ایلفن بئین (Elfen bein) کی رائے بھی کم وبیش یہی ہے کہ ''بلوچی پارتی (Parthian) یا میدی زبان سے تعلق رکھتی ہے جو قبل مسیح میں بحیرۂ خزر اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں پروان چڑھی ہے''۔ (ح۔6)

2- بلوچی کے لہجے

بلوچی زبان کے دو بڑے نمایاں لہجے ہیں۔ جنہیں مشرقی اور مغربی لہجہ کہا جاتا ہے۔

2.1- مشرقی لہجہ

یہ مشرقی بلوچستان کی زبان ہے۔ جسے بعض اوقات شمالی یا سلیمانی لہجہ بھی کہا جاتا ہے۔ مشرقی یا شمالی لہجہ جو ساراوان' کچھی کے بلوچ قبائل میں' مری کی قریبی پہاڑیوں اور بگٹی علاقے میں رائج ہے۔ اس کے علاوہ یہ پنجاب کے ضلع ڈیرہ غازی خان کے بعض حصوں اور سندھ کے ضلع جیکب آباد میں بھی بولا جاتا ہے۔ دریائے سندھ اور اس کے بائیں کنارے تک مزاری' گورچانی اور دریشک قبائل کا بھی یہی لہجہ ہے۔ (ح۔12)

2.2- مغربی لہجہ

مغربی لہجہ جسے جنوبی اور بعض اوقات ''مکرانی'' بھی کہا جاتا ہے۔ مغربی بلوچستان کی زبان ہے یہ لہجہ مکران' لسبیلہ' قلات' خاران' جھالاوان' کوئٹہ ڈویژن اور ضلع چاغی میں بولا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہی لہجہ ایران' افغانستان' ترکمانستان اور خلیج فارس میں بسنے والے بلوچوں میں رائج ہے۔ سندھ کے دوسرے علاقوں کے برعکس کراچی میں آباد بلوچوں کا لہجہ بھی یہی ہے۔

2.3- لہجوں کا فرق

بلوچی زبان کے ان دو بڑے لہجوں یعنی مشرقی اور مغربی لہجہ میں اگرچہ کوئی نمایاں فرق نہیں ہے لیکن بعض الفاظ میں مشرقی لہجہ بولنے والے غ' ف' خ' ث اور ی کے حروف کا استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ مغربی لہجہ کے بولنے والے بالترتیب گ' پ' ک' ت اور و تلفظ کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

غ رگ کا فرق

مغربی لہجہ	مشرقی لہجہ	اردو معنی
نندگ	نندغ	بیٹھنا
گشگ	گشغ	کہنا
جنگ	جنغ	مارنا
ورگ	ورغ	کھانا

ف/پ کا فرق

آپ	آف	پانی
لاپ	لاف	پیٹ
شپ	شف	رات
دپ	دف	منہ

ت/ث کا فرق

مات	ماث	ماں
برات	براث	بھائی
روت	روث	جاتا ہے

خ/ک کا فرق

گنوگ	گنوخ	دیوانہ
گوك	گوخ	گائے
هاك	هاخ	ریت

ی/و کا فرق

دور	دِیر	دور
سور	سِیر	شادی
مُود	مِید	بال

مشرقی لہجہ میں بعض اوقات الفاظ کا تلفظ مختصر ہو جاتا ہے جبکہ مغربی لہجہ میں ان کو مکمل تلفظ کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے جیسے:

مغربی لہجہ	مشرقی لہجہ	مشرقی لہجہ میں تلفظ کا اختصار
گوشیت	گوشیت	شیت (وہ کہتا ہے)
روگاانت	روغا انت	روغیں (وہ جا رہا ہے)
کنگا انت	کنغاانت	کنغیں (وہ کر رہا ہے)

مشرقی لہجہ میں کبھی کبھار ''چ'' کو ''ش'' اور ''ج'' کو ''ژ'' میں بھی تبدیل کیا جاتا ہے۔ لیکن دونوں لہجوں کا یہ فرق و اختلاف مشرقی اور مغربی لہجوں کے بولنے والوں کے لئے کوئی مشکل پیدا نہیں کرتا۔

3- لسانی جغرافیہ

موجودہ دور میں بلوچی بولنے والے اور بلوچ نسل کے لوگ پاکستان کے علاوہ ایران' افغانستان' ترکمانستان اور خلیج فارس کے علاقوں میں بھی آباد ہیں۔

بلوچستان کا کل رقبہ 13430 مربع میل ہے۔ یہ رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ ہے۔صوبے کی سب سے بڑی آبادی ان قبائل پر مشتمل ہے جو بلوچی بولتے ہیں اور ماسوائے خالص پشتون علاقوں کے یہ زبان ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ وسطی بلوچستان کے وہ بلوچ قبائل بھی بلوچی زبان بولتے اور سمجھتے ہیں جو روایتی طور پر براہوئی زبان بولنے والے قبیلے خیال کیے جاتے ہیں۔

صوبہ بلوچستان کے علاوہ سندھ اور پنجاب میں بھی بلوچ بھاری اکثریت میں آباد ہیں کیونکہ مختلف تاریخی ادوار میں بلوچوں کے ایک بڑے حصے کو بلوچستان سے سندھ اور پنجاب کی طرف ہجرت کرنا پڑا۔ ہجرت کے اس عمل نے نہ صرف بلوچی زبان پر گہرے اثرات مرتب کیے بلکہ سندھ اور پنجاب کے بعض علاقوں میں وہاں کے لوگوں میں رچ بس جانے کے بعد بلوچوں نے وہاں کی اکثریت کی زبان بھی قبول کرلی۔ تاہم سندھ اور پنجاب کے بعض اضلاع میں اب بھی بلوچی بولی جاتی ہے۔ایرانی صوبہ سیستان کی پوری آبادی بلوچ قبائل پر مشتمل ہے اور بلوچی ان کی مادری زبان ہے۔افغانستان میں ہلمند کا ایک حصہ یعنی فراح،چکنسور اور گرم سیل کے علاوہ شوراوک اور ہرات میں بادغیس تک بلوچ آباد ہیں اور بلوچی بولتے ہیں۔

تُرکمانستان کے علاقہ ''ماری'' میں پچاس ہزار کے قریب بلوچ آباد ہیں اور بلوچی بولتے ہیں۔ بلوچوں کی اچھی خاصی اکثریت خلیج فارس کے متعدد علاقوں میں جا کر آباد ہو چکی ہے تا کہ ان ریاستوں میں تیل کی وجہ سے زندگی کی جو سہولتیں اور اعلیٰ ملازمتیں میسر ہیں ان سے مستفید ہو سکیں۔

4- حروف تہجی

اٹھارہویں صدی میں جب بلوچی ادب کو تحریری شکل دینے کا آغاز کیا گیا تو اس کے لئے عربی اور فارسی رسم الخط کا استعمال کیا گیا جو بہت حد تک اردو کے املائی نظام سے قریب ہے۔ اس کے علاوہ بلوچی زبان میں معمولی فرق کے ساتھ کم و بیش وہی حروف تہجی استعمال ہوتے ہیں جو اردو میں مستعمل ہیں۔

بلوچی رسم الخط کے لئے عربی، فارسی اور ہندی کے کل اٹھائیس حروف تہجی استعمال ہوتے ہیں۔ جو اس طرح سے ہیں۔

ا ب پ ت ٹ ج چ خ د ڈ ذ ر ڑ ز ژ س ش غ ف ک گ ل م ن و ء ہ ی/ے

ان اٹھائیس حروف تہجی میں عربی کی تین، فارسی کی دو اور ہندی کی تین آوازیں شامل ہیں۔ بقایا بیس حروف تہجی ایسے ہیں، جنہیں بلوچی کی بنیادی آوازیں کہا جا سکتا ہے۔

4.1- بلوچی زبان کے بنیادی حروف

ا ب پ ت ج چ د ر ز ژ س ش ک گ ل م ن و ہ ی

عربی کے حروف: ذ خ ء فارسی کے حروف: غ ف ہندی کے حروف: ٹ ڈ ڑ

عربی اور فارسی کی آٹھ دخیل آوازیں مثلاً ح ث ص ض ط ظ ع اور ق کی آوازیں مشرقی بلوچی لہجے میں استعمال تو ہوتی ہیں لیکن عام طور پر مغربی لہجہ میں انہیں ادا کرتے وقت بلوچی صوتی مزاج کے مطابق متشابہ بلوچی آوازوں میں بدل دیا جاتا ہے۔ مثلاً ح کو ہ کی متشابہ آواز میں بدل دیا جاتا ہے۔ ث اور ص کو "س" ض اور ظ کو "ز" ط کو "ت"، "ع" کو الف اور ق کو "ک" کی آواز میں ادا کیا جاتا ہے۔ اس لئے بلوچی کے اکثر اہل قلم کے ہاں ان مذکورہ حروف کو بلوچی ہی کے متشابہ حروف میں لکھنے کا رجحان نمایاں ہے۔ اسی طرح بلوچی زبان میں ہائیہ آوازیں مثلاً بھ، پھ، ٹھ، ڈھ اور کھ وغیرہ استعمال نہیں ہوتیں۔ اس لئے عام طور پر ان ہائیہ مسدودوں کو متشابہ مسدودوں میں تبدیل کر لیا جاتا ہے کیونکہ ہائیہ آوازیں بلوچی زبان کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہیں تاہم تعلیم یافتہ طبقہ ان کی صحیح ادائیگی پر قدرت رکھتا ہے جبکہ بلوچی زبان کے مغربی لہجہ کے برعکس مشرقی لہجہ میں اس کی ہمسایہ زبانوں سندھی اور سرائیکی کے اثرات کے سبب ان ہائیہ آوازوں کا استعمال عام نظر آتا ہے۔

بلوچی رسم الخط کے اٹھائیس حروف تہجی کی علامات اور آوازیں اس طرح سے ہیں۔

حروف	آواز
ا	اس کے ساتھ استعمال ہونے والے اعراب کی آواز پر اس کا انحصار ہے
ب	جیسے انگریزی اور اردو میں استعمال ہوتا ہے۔

پ ایضاً
ت فارسی کی طرح (زبان کو دانتوں کے درمیان کرکے)
ٹ جیسے ہندی میں ہے لیکن زبان کو تالو پر زور دے کر
ج جیسے انگریزی، اردو میں استعمال ہوتا ہے۔
چ ایضاً
خ عربی اور اردو کی طرح (زیادہ تر مشرقی لہجہ میں استعمال ہوتا ہے)
د جیسے انگریزی، اردو میں۔
ڈ زیادہ تر ہندی کی طرح استعمال ہوتا ہے۔
ذ جیسے عربی میں
ر فرانسیسی زبان کی طرح جیسے لفظ ''رول'' میں استعمال ہوتا ہے۔
ڑ زیادہ تر جیسے ہندی میں استعمال ہوتا ہے۔
ز جیسے انگریزی، اردو میں
ژ جیسے اردو میں اور انگریزی کے ''Z'' کی طرح جو AZURE میں استعمال ہوا ہے۔
س جیسے انگریزی، اردو میں
ش ایضاً
غ جیسے عربی، اردو میں
ف جیسے انگریزی، اردو میں۔زیادہ تر ''پ'' کی ہیئت میں استعمال ہوتا ہے۔
ک جیسے انگریزی، اردو میں
گ جیسے اردو میں
ل جیسے انگریزی، اردو میں
م ایضاً
ن زیادہ تر غنہ کی حیثیت میں استعمال ہوتا ہے۔لیکن جب کسی طویل حرف علت (اعراب) کے بعد استعمال ہوتا ہے تو ''ن'' کی ہیئت اختیار کر لیتا ہے۔
و جیسے انگریزی، اردو میں
ء جیسے عربی میں
ہ جیسے انگریزی، اردو میں
ی/ے ایضاً

5- اُردو اور بلوچی کے بین اللسانی روابط

بول چال اور علمی و ادبی زبان کی حیثیت سے اردو زبان کا تعارف اہلِ بلوچستان سے اٹھارہویں صدی میں ہوا۔ جب میر نصیر خان نوری نے متعدد ہندوستانی مہمات میں والیِ افغانستان احمد شاہ ابدالی کا ساتھ دیا۔ پانی پت کی تیسری لڑائی 1761ء میں احمد شاہ ابدالی کی معیت میں پچیس ہزار بلوچ جنگجوؤں نے حصہ لیا۔ خان قلات کے امراء و وزرا کی اچھی خاصی تعداد ساتھ تھی۔ جہاں یہ لشکری دہلی، لکھنو اور اودھ کے اُردو بولنے والے عساکر کے ساتھ گھل مل گئے۔ (ح۔13)

1765ء میں سکھوں کے خلاف لڑائی میں بارہ ہزار کے بلوچ لشکر نے خان اعظم کی سرکردگی میں حصہ لیا اور یہ زیادہ تر لاہور کے گردنواح میں خیمہ زن رہا جسے کئی محققین اردو کا منبع اول سمجھتے ہیں۔ (ح۔14)

اہلِ بلوچستان کا اردو سے دوسرا رابطہ سید اسماعیل شہید کی تحریک جہاد کے دوران ہوا۔ جب 1826ء میں وہ سید احمد شہید کی معیت میں سندھ سے ہوتے ہوئے یہاں سے گذرے تھے۔ سید اسماعیل شہید کے بیشتر رفقاء مجاہد اُردو بولنے والے تھے۔ جس سے بلوچستان کی فضائیں اُردو سے آشنا ہوئیں۔ (ح۔15)

حقیقی معنوں میں اہلِ بلوچستان کا اردو سے رابطہ انگریز کے دور میں ہوا۔ انگریزوں کی آمد سے پہلے بلوچستان میں اردو زبان کی رسائی چند ہندو تاجروں تک محدود تھی۔ سرکاری، درباری، عدالتی اور سفارتی سطح پر بلوچستان میں فارسی زبان کا دور دورہ تھا۔ خان آف قلات میر نصیر خان نوری کے دور میں ملا محمد حسن کے علاوہ ریاست قلات میں اردو لکھنے پڑھنے والے کسی اور شخص کا سراغ نہیں ملتا۔ ملا محمد حسن اس علاقے میں اردو کے پہلے شاعر ہیں۔ جنہوں نے 1847ء میں اپنی اردو کلیات مکمل کی۔ ملا محمد حسن کا اردو میں شعر کہنا اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ اہل بلوچستان ہندوستان کے سماجی اور سیاسی حالات سے بے خبر نہیں تھے اور یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ انگریزوں کی آمد اور کوئٹہ ایجنسی کے قیام کے ساتھ ہی اردو بولنے اور لکھنے کا رواج دفعتاً بڑھ جاتا ہے۔ اسی دور میں عدالتوں کی کارروائیاں اور سرکاری دستاویزات کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی اردو میں شروع ہوا۔ غیر مقامی لوگوں کی ایک کثیر تعداد بلوچستان میں آباد ہونا شروع ہوئی۔ کوئٹہ، لورالائی اور ژوب میں فوجی چھاؤنیوں کا قیام اور فوجیوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہندوستان بھر سے تاجروں کی آمد، سرکاری دفاتر میں لکھنے پڑھنے کے امور پر مامور ہندوستان بھر سے اردو اور پنجابی بولنے والوں کی ایک کثیر تعداد کوئٹہ اور برٹش بلوچستان کے دیگر علاقوں میں آ کر آباد ہوئی۔ (ح۔16)

فارسی جو ہندوستان، افغانستان اور ایران کی طرح بلوچستان میں بھی ریاست قلات کی سرکاری، درباری اور عدالتی زبان تھی، اردو سے تبدیل ہوئی تو وہ طبقہ جو سرکار و دربار سے تعلق رکھتا تھا، اردو سیکھنے کی طرف مائل ہوا، انگریزوں نے اردو سکول کھولے اور وہ زبان جسے ہندوستان میں پروان چڑھنے میں صدیاں لگیں، دیکھتے ہی دیکھتے بلوچستان کے طول و عرض میں عام ہوگئی۔ (ح۔17)

بلوچستان میں شعوری طور پر اردو کو ذریعہ اظہار بنانے کا سہرا ان سیاسی قائدین اور تحریک آزادی کے رہبروں کے سر ہے جنہوں نے برطانوی استعمار کے خلاف عملی جدوجہد کا آغاز کیا تو عوام سے رابطے کے لئے اردو کا انتخاب کیا۔ وہ نواب یوسف عزیز مگسی، عبدالصمد خان اچکزئی، قاضی محمد عیسیٰ خان، میر محمد حسین عنقا، عطا محمد مرغزانی، فضل احمد غازی، میر گل خان نصیر اور حریم اوستوی ہوں یا محمد حسن نظامی، ان تمام سیاسی شخصیات نے اردو کو ذریعہ اظہار بنایا۔ الغرض سیاسی اور صحافتی سرگرمیوں کے باعث بیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائی میں بلوچستان میں اردو رابطے اور اظہار کا ذریعہ بن کر سامنے آئی۔ (ح۔18)

1920ء سے قیام پاکستان تک بلوچستان میں اردو صحافت اور سیاسی جلسے جلوسوں نے جہاں ایک طرف اردو کو عام لوگوں میں مقبول بنانے میں اہم کردار ادا کیا وہاں اردو ادب کو بھی فروغ بخشا کیونکہ علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خان، نواب یوسف عزیز مگسی جیسے حریت پسندوں کا کلام زبان زدِ خاص و عام ہوا، سیاسی، سماجی اور ثقافتی افسانے لکھے گئے اور شاعری کے ذریعے بھی عوامی شعور کو بیدار کیا گیا۔ (ح۔19)

قیام پاکستان کے بعد قومی زبان کی حیثیت سے اردو کی اہمیت میں گراں قدر اضافہ ہوا۔ ذرائع ابلاغ، تعلیم، روزگار، دفتری معاملات اور خط و کتابت غرضیکہ ہر شعبۂ زندگی میں اردو کو نمایاں اہمیت ملی اور پاکستان کے کونے کونے میں اردو زبان سمجھی اور بولی جانے لگی۔ آج اردو نے جہاں بلوچی زبان کو متاثر کیا ہے، وہیں پہ جدید بلوچی ادب پر بھی اس کے اثرات کو بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔

اگرچہ اردو اپنی اصل کے اعتبار سے ایک ہند آریائی زبان ہے لیکن اردو کی تشکیل اور نشوونما میں فارسی نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کا ذخیرہ الفاظ ساٹھ فی صد فارسی سے آیا ہے۔ اردو کے برعکس بلوچی اور فارسی ہند ایرانی منابع اور ماخذ سے تعلق رکھتی ہیں اور ان کے بہت سے الفاظ یکساں ہیں۔ اس لئے فارسی کے جو الفاظ اردو میں مستعمل ہیں ان کی ایک کثیر تعداد بلوچی میں بھی موجود ہے۔

ذیل میں مشترک الفاظ کی مثالیں ملاحظہ کیجئے جو بلوچی، فارسی اور اردو میں یکساں طور پر مستعمل ہیں۔

اردو	بلوچی	اردو	بلوچی
آباد	آبات	آبادی	آباتی
آبلہ	آبلہ	آزاد	آزات
آزار	آزار	ارادہ	ارادگ
ارزان	ارزان	اعتبار	اتبار
باز	باز	باغ	باگ
بالغ	بالگ	باور	باور

اردو	بلوچی	اردو	بلوچی
بچہ	بچک	برباد	بربات
پابند	پابند	پالان	پالان
پرہیز	پاریز	پلید	پلیت
پیادہ	پیادگ	تاج	تاج
تخت	تہت	تلخ	تہل
تیز	تیز	جادو	جاتو
جامہ	جامگ	جوہر	جوہر
چراغ	چراگ	حال	ھال
حساب	ھساب	خاص	ھاس
خراب	ھراب	خطر	ھتر
خوش	وش	خیال	ھیال
درد	درد	دشمن	دژمن
دوچار	دوچار	راہ	راہ
رسوا	رزوا	سفر	سپر
زر	زر	زمین	زمین
زندہ	زندگ	سادہ	سادگ
شاعر	شائر	شتاب	اشتاپ
شریک	شریک	شک	شک
شوم	شوم	طبیعت	تب

اردو	بلوچی	اردو	بلوچی
طلا	تلاہ	طعام	تام
طمع	تماہ	ظلم	زُلم
ظاہر	زاہر	غلام	گُلام
غم	گم	یار	یار
فال	پال	فرق	پرك
فریاد	پریات	فساد	پسات
فقیر	پکیر	قابل	کابل
قانون	کانود	قد	کد
قہر	کہر	کار	کار
کشکول	کچکول	کلاہ	کلاہ
کمان	کمان	کمک	کمک
گپ	گپ	گرم	گرم
گردن	گردن	گل	گل
گمان	گمان	لفظ	لبز
لوح	لوح	لعل	لال
لرزہ	لرزگ	مال	مال
مبارک	مبارك	محتاج	محتاج
مُحکم	مُهکم	مدار	مدار
مدام	مدام	مراد	مراد

اردو	بلوچی	اردو	بلوچی
مرگ	مرگ	مست	مَست
مُشت	مُشت	نادان	نادان
یہودی	جہودی	نام	نام
ناموس	ناموز	نامہ	نامگ
نان	نان	نرم	نرم
نشان	نشان	نگاہ	نگاہ
وبا	وبا	وجود	وجوت
وہم	وہم	ویران	ویران
وزن	وزن	ہستی	ہستی
ہمراہ	ہمراہ	ہنر	ہنر
ہوش	ہوش	یاد	یات
یقین	یکین		

6- چند بنیادی قواعد

فعل:

فعل عام طور پر جملے کے آخر میں آتا ہے اور بیک وقت چار مختلف حالتیں ظاہر کرتا ہے۔

(۱) کسی کام کے مثبت یا منفی حالت میں انجام پانے کا بیان

مثال: کلم پُر شت (قلم ٹوٹ گیا) مثبت حالت

کلم نہ پُرشت (قلم نہیں ٹوٹا) منفی حالت

(۲) فاعل کو واضح کرتا ہے۔

مثال: آ کوئٹہ ءَ شُت (وہ کوئٹہ گیا) یہاں فاعل واحد غائب ہے

(۳) فاعل کے واحد یا جمع ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

مثال: آ اھتگ اَت (وہ آیا تھا/آئی تھی) واحد

آ اھتگ اتنت (وہ آئے تھے/آئی تھیں) جمع

(۴) زمانے کی نشاندہی کرتا ہے۔

مثال: من کوئٹہ ءَ شتگ اتاں (میں کوئٹہ گیا تھا) ماضی بعید

فعل کا صرف ہونا/صیغہ اور گردان:

مذکورہ بالا چاروں مفاہیم بیان کرنے کے لئے فعل مختلف زمانوں اور مختلف اشخاص (متکلم، حاضر، غائب) کے لئے مختلف حالتیں اختیار کرتا ہے چونکہ اشخاص کی تعداد تین ہے اور یہ اشخاص واحد یا جمع ہو سکتے ہیں۔ اس لئے ہر فعل چھ مختلف صورتیں اختیار کرتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک صورت یا حالت کو ''صیغہ'' کہا جاتا ہے اور ایک صیغہ کو چھ صورتوں میں بیان کرنے کے عمل کو ''گردان کرنا'' کہتے ہیں۔

صیغے کی مثال: من شُتوں یا شُتاں (میں گیا)

گردان کی مثال:

	متکلم	حاضر	غائب
واحد:	من شتوں/شُتاں (میں گیا)	تو شُتئے (تو گیا)	آشُت (وہ گیا)
جمع:	ماشُتیں (ہم گئے)	شما شُتِت (آپ گئے)	آ شُتنت (وہ گئے)

مصدر:

مصدر وہ لفظ ہے جو زمانے اور فاعل کی وضاحت کئے بغیر کسی فعل کے اصل مفہوم کو واضح کرتا ہے۔ بلوچی میں مصدر کی علامت ''گ یا غ'' ہے۔

مثال: ورگ/ورغ (کھانا) گُشگ/گُشغ (کہنا)

تچگ/تچغ (دوڑنا) گِندگ/گِندغ (دیکھنا)

مصدر کی اقسام:

مصدر کی دو بڑی اقسام ہیں۔ مفرد مصدر اور مرکب مصدر

مفرد مصدر:

وہ مصدر ہے جو ایک جُز (کلمہ) پر مشتمل ہوتا ہے۔

مثالیں: ورگ (کھانا)، دئیگ (دینا)، روگ (جانا)، آئیگ (آنا)

مرکب مصدر:

یہ کسی صفت یا اسم یا فعل کے دو یا دو سے زائد اجزاء یا کلمات سے مل کر بنتا ہے اور صرف ایک مفہوم بیان کرتا ہے۔

مثالیں:

پاد+آئیگ	=	پاد آئیگ (اُٹھنا)
یله +دئیگ	=	یله دئیگ (چھوڑنا)
ٹپی + بِیئگ	=	ٹپی بیئگ (زخمی ہونا)
گَپ +جَنَگ	=	گپ جنگ (بات کرنا)

فعل لازم اور فعل متعدی

فعل لازم وہ ہے، جو صرف فاعل کے ساتھ ختم ہوتا ہے اور مفعول کی ضرورت نہیں ہوتی۔

مثال: بشام آھت (بشام آیا) بالاچ شُت (بالاچ گیا)

اس مثال میں ''آھت'' اور ''شُت'' دونوں فعل لازم ہیں کیونکہ فعل صرف فاعل کے ساتھ ختم ہو گیا ہے۔

فعل متعدی وہ ہے جو صرف فاعل کے ساتھ ختم نہ ہو اور اسے مفعول کی ضرورت ہو۔

مثال: حمل ءَ نان وارت (حمل نے کھانا کھایا) بالاچ کلم ءَ آؤرت (بالاچ قلم لایا)

فعل کی اقسام/زمانے کی اقسام

فعل یعنی کسی کام کے انجام پانے کے اصل زمانے تین ہی ہیں: ماضی، حال اور مستقبل، لیکن ان میں سے ہر ایک زمانے میں انجام پانے والے فعل کو بیان کرنے کے لئے صیغے کی صورتیں زمانے کے مطابق بدلتی رہتی ہیں۔

ماضی مطلق:

ایسا فعل جس میں گزرے ہوئے زمانے کا ذکر ہو۔ لیکن اس سے یہ ظاہر نہ ہو کہ کام کو کئے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ہے اور قریب یا دور کے زمانہ کی قید نہ ہو۔

مثال: برگ (لے جانا) سے بُرت (لے گیا)

وانگ (پڑھنا) سے وانت (پڑھا)

بنانے کا طریقہ:

مصدر کی علامت "گ یا غ" کو ہٹا کر اس کی جگہ حسب ذیل حروف لگا دیئے جاتے ہیں۔

		متکلم	حاضر	غائب
واحد	+	توں یا تاں	+ تئے	+ ت
جمع	+	تیں	+ تِت	+ تنت

مثال: "وانگ" مصدر سے گردان:

من وانتوں یا وانتاں (میں نے پڑھ لیا) تو وانتئے (تو نے پڑھ لیا) آوانت (اس نے پڑھ لیا)
ماوانتیں (ہم نے پڑھ لیا) شماوانتِت (آپ نے پڑھ لیا) آوانتنت (انہوں نے پڑھ لیا)

ماضی قریب:

ایسا فعل جو قریب کے گزرے ہوئے زمانے میں انجام پایا ہو۔

مثال: ورگ (کھانا) سے وارتہ یا وارتگ (کھایا)

وانگ (پڑھنا) سے وانتہ یا وانتگ (پڑھا)

بنانے کا طریقہ:

مصدر کی علامت "گ" کو ہٹا کر اس کی جگہ حسب ذیل حروف کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

	متکلم	حاضر	غائب
واحد:	+تگوں	+تگئے	+تگ یا ته
جمع:	+تگیں	+تگت	+تگنت یا تنت

گردان:

من وانتگوں (میں پڑھ چکا ہوں) تو وانتگئے (تو پڑھ چکا ہے) آوانته یا وانتگ (وہ پڑھ چکا ہے)

ماوانتگیں (ہم پڑھ چکے ہیں) شما وانتگت (آپ پڑھ چکے ہیں) آوانتگنت یا وانتنت (وہ پڑھ چکے ہیں)

ماضی استمراری:

وہ فعل جس کا انجام پانا گزشتہ زمانے میں ابھی جاری ہو یا بار بار انجام پا چکا ہو یا عادت ظاہر کرتا ہو۔

مثال= ورگ (کھانا) سے ورگااَت (وہ کھاتا تھا)

وانگ (پڑھنا) سے وانگا اَت (وہ پڑھتا تھا)

بنانے کا طریقہ: مصدر کے آخر میں حسب ذیل الفاظ کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

گردان: ورگ (کھانا) سے

	متکلم	حاضر	غائب
واحد:	من ورگا اَتاں/ ورگا اتوں (میں کھاتا تھا)	تو ورگا اَتئے (تو کھاتا تھا)	آورگا اَت (وہ کھاتا تھا)
جمع:	ماورگا اَتیں (ہم کھاتے تھے)	شما ورگا اَتِت (تم کھاتے تھے)	آورگا اَتنت (وہ کھاتے تھے)

ماضی بعید:

وہ فعل جو دُور کے گزرے ہوئے زمانے میں انجام پا چکا ہے۔

مثال: وانگ (پڑھنا) سے وانتگت (پڑھ چکا تھا)

ورگ (کھانا) سے وارتگت (کھا چکا تھا)

بنانے کا طریقہ: مصدر کے ''گ'' کو ہٹا کر اس کی جگہ حسب ذیل الفاظ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

	متکلم	حاضر	غائب
واحد:	+ تگتوں	+تگتئے	+تگت
جمع:	+ تگتیں	+تگتِت	+تگتنت

گردان: وانگ (پڑھنا) سے

من وانتگتوں (میں پڑھ چکا تھا) تو وانتگتئے (تو پڑھ چکا تھا) آوانتگت (وہ پڑھ چکا تھا)

ماوانتگتیں (ہم پڑھ چکے تھے) شما وانتگتت (تم پڑھ چکے تھے) آوانتگتنت (وہ پڑھ چکے تھے)

فعل حال: وہ کام جو زمانۂ حال میں انجام پا رہا ہے۔

مثال: نندگ (بیٹھنا) سے نندیت (بیٹھتا ہے)

دیگ (دینا) سے دنت (دیتا ہے)

بنانے کا طریقہ: مصدر کے آخری حرف کو ہٹا کر اس کی جگہ حسب ذیل الفاظ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

گردان: وانگ (پڑھنا) سے

	متکلم	حاضر	غائب
واحد:	من وانیں/واناں (میں پڑھتا ہوں)	تو وانئے (تو پڑھتا ہے)	آوانیت (وہ پڑھتا ہے)
جمع:	ماوانیں (ہم پڑھتے ہیں)	شما وانت (آپ پڑھتے ہیں)	آوانت (وہ پڑھتے ہیں)

فعل حال جاری:

یہ فعل ظاہر کرتا ہے کہ موجودہ زمانے میں کام جاری ہے۔

مثال: وانگ (پڑھنا) سے وانگا اِنت (وہ پڑھ رہا ہے)

بنانے کا طریقہ: مصدر کے آخر میں حسب ذیل الفاظ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

	متکلم	حاضر	غائب
واحد:	من وانگااوں (میں پڑھ رہا ہوں)	تو وانگائے (تو پڑھ رہا ہے)	آوانگا اِنت (وہ پڑھ رہا ہے)
جمع:	ماوانگائیں (ہم پڑھ رہے ہیں)	شماوانگا اِت (آپ پڑھ رہے ہیں)	آوانگا انت (وہ پڑھ رہے ہیں)

فعل مستقبل:

وہ فعل جو آنے والے زمانے میں انجام پانے والے کام پر دلالت کرتا ہے۔ یاد رہے کہ بلوچی میں فعل حال اور فعل مستقبل ایک ہی طرح سے بنتے ہیں۔

مثال: دارگ (رکھنا) سے داریت (وہ رکھے گا)

نویسگ (لکھنا) سے نویسیت (وہ لکھے گا)

بنانے کا طریقہ: مصدر کی علامت ''گ یا غ'' کو ہٹا کر اس کی جگہ حسب ذیل الفاظ کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

	متکلم	حاضر	غائب
واحد	+اں/ہیں	+ئے	+یت
جمع:	+یں	+ت	+اَنت

نویسگ (لکھنا) مصدر سے گردان:

من نویساں /نویسیں (میں لکھوں گا) تو نویسئے (تو لکھے گا) آنویسیت (وہ لکھے گا)

مانویسیں (ہم لکھیں گے) شما نویسِت (آپ لکھیں گے) آنویسنت (وہ لکھیں گے)

ضمائر:

ضمائر وہ حروف یا الفاظ ہیں جو اسم کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ ضمیر کی تین اہم قسمیں ہیں۔ شخصی، اشارہ، تاکیدی

ضمیر شخصی:

وہ ضمیر ہے جو تین اشخاص (متکلم، حاضر، غائب) پر دلالت کرے۔

	واحد متکلم	جمع متکلم
فاعلی	مَن (میں۔ میں نے)	ما (ہم۔ ہم نے)
مفعولی	(منا/منارا (مجھے۔ مجھ کو)	مارا/امارا (ہمیں۔ ہم کو)
اضافی	منی (میرے۔ میری)	مئے/امئے (ہمارے۔ ہماری)

	واحد حاضر	جمع حاضر
فاعلی	تئو (تم۔ تم نے)	شما (آپ۔ آپ نے)
مفعولی	ترا (تجھے۔ تجھ کو)	شمارا (تمہیں۔ تم کو)
اضافی	تئی (تیرے۔ تیری)	شمئے (تمہارے۔ تمہاری)

	واحد غائب	جمع غائب
فاعلی	آ (وہ۔ اس نے)	آ (وہ۔ انہوں نے)
مفعولی	آئی ءَ/آئرا (اُسے۔ اُسکو)	آیان/آیان را (انہیں۔ ان کو)
اضافی	آئی (اس کا۔ اس کی)	آیانی (ان کا۔ ان کی)

ضمیر اشارہ:

جسے اسم اشارہ بھی کہتے ہیں، وہ ضمیر ہے جو کسی شخص یا چیز کو اشارے کے ساتھ واضح کرے۔
بلوچی میں نزدیک کے اشارے کے لئے ''اے'' اور دور کے لئے ''آ'' استعمال ہوتا ہے۔

مثال:

اے مردم (یہ آدمی) آ مردم (وہ آدمی)

ضمیر تاکیدی:

وہ ضمیر ہے جو ایک صیغہ یعنی لفظ ''وت'' کے ساتھ تین اشخاص (متکلم، حاضر، غائب) کے لئے استعمال
کبھی کبھی ''وت'' کی جگہ ''جند'' بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

مثال:

آوت منا گشت — اس نے خود مجھے کہا
(یا)
آئی جِند منا گشت

شما وت اِدا آتکت — آپ خود یہاں آئے ہو

مَن وت شتوں — میں خود چلا گیا

کثیر الاستعمال مصادر

مصدر	معنی	مصدر	معنی
آرگ	لانا	برگ	لے جانا
ورگ	کھانا	دئیگ	دینا
گشگ	کہنا	جَنِگ	مارنا
آئیگ	آنا	روگ	جانا
ورگ	کھانا	نندگ	بیٹھنا
پادآئیگ	کھڑا ہونا	وسپگ	سونا
گِرگ	پکڑنا/خریدنا	جست کنگ	پوچھنا/سوال کرنا

تُرسگ	ڈرنا	بوئیگ	ہونا
کپگ	گرنا	دارگ	رکھنا
دِرگ	پھاڑنا	گِندگ	دیکھنا
کندگ/هندگ	ہنسنا	گریوگ	رونا
دوچگ	سینا	رسگ	پہنچنا
جُنزگ	چلنا	زانگ	جاننا
ریچگ	ڈالنا/گرانا	وانگ	پڑھنا
پُترگ	داخل ہونا	تَرکگ	پھٹنا
پچگ	پکانا	تَرَگ	گھومنا
تَؤرگ	محسوس کرنا	تورگ	تولنا/وزن کرنا
پَٹگ	تلاش کرنا	جاہگ	چبانا
جُڑگ	جڑنا	ٹاهینگ	بنانا
جہگ	بھاگنا	چارگ	دیکھنا
چوشگ	چوسنا	مِڑگ	لڑنا
مِرگ	مرنا	خُتَگ	کھودنا
سُرَگ	ہلنا	سُچگ	جلنا
ساچگ	موافق آنا	زاہگ	جننا
رندگ	کنگھی کرنا	روپگ	جھاڑو دینا
رَیپگ	دھوکہ دینا	زِنگ	چھیننا
سوچگ	جلانا	کِشگ	بونا
گوارگ	برسنا	گیجگ	ڈالنا
لوٹگ	مانگنا	گوزگ	گزرنا
بہاکنگ	فروخت کرنا	کُشگ	قتل کرنا
مَنَّگ	ماننا	زُورگ	اٹھانا

7- ابتدائی بول چال کے جملے

اردو	بلوچی
☆ آپ کا نام کیا ہے؟	تئی نام کئے انت؟
میرا نام اسحاق شاہد ہے	منی نام اسحاق شاہد انت
☆ آپ کیا کرتے ہیں؟	تو چے کنئے؟
میں پڑھتا ہوں	من واناں
☆ آپ کیسے ہیں؟	تئی چے حال انت؟
میں اللہ کے فضل و کرم سے ٹھیک ہوں	من اللّٰہ ءِ مہربانی ءَ جوان اوں
☆ اور سنائیں! آپ کا کیا حال ہے؟	دگہ بِگش! تئی چے حال انت؟
میں بالکل خیریت سے ہوں	من جوڑاوں
☆ آپ کے والد کیا کرتے ہیں؟	تئی پت چے کنت؟
وہ ملازمت کرتے ہیں۔	آملازمت کنت
☆ آپ کا گھر یہاں سے کتنی دور ہے؟	چہ اداتئی گِس چنکس دُورانت؟
زیادہ دور نہیں ہے۔	باز دور نہ انت
یہ سڑک سیدھی میرے گھر کی طرف جاتی ہے۔	اے دگ تچکا منی گس ءَ روت
☆ میری طبیعت ٹھیک نہیں، کیا آپ مجھے کسی ڈاکٹر کا پتہ بتا سکتے ہیں؟	منی تب جوڑنہ انت. تو من ءَ ہچیں ڈاکٹرے ءِ ڈس دات کن ئے۔
آپ سرکاری ہسپتال چلے جائیں وہ سامنے نظر آ رہا ہے	تو سرکاری ہسپتال ءَ بروکہ آدیما پیداك انت
☆ گرمی بہت زیادہ ہے پیدل جانا ممکن نہیں	باز گرم انت. پیادگ روگ نہ بیت
آئیے میں آپ کو اپنی گاڑی میں چھوڑ آتا ہوں	بیامن تراوتی گاڑی ءَ براں رسیناں
☆ بہت شکریہ! اچھا پھر ملیں گے	تئی منت وار! پداگندیں
آپ کا بھی شکریہ۔ خدا حافظ	تئی دہ منت وار۔ اللّٰہ ءِ باہوٹ

گنتی

ہندسے	اُردو	بلوچی
1	ایک	یک
2	دو	دو
3	تین	سہ
4	چار	چیار/چار
5	پانچ	پنج
6	چھ	شش
7	سات	ہپت
8	آٹھ	ہشت
9	نو	نُہہ
10	دس	دَہ
11	گیارہ	یانزدہ/یازدہ
12	بارہ	دوازدہ
13	تیرہ	سیزدہ
14	چودہ	چاردہ
15	پندرہ	پانزدہ
16	سولہ	شانزدہ
17	سترہ	ہبدہ
18	اٹھارہ	ہژدہ
19	انیس	نوزدہ
20	بیس	بیست/گیست
30	تیس	سی
40	چالیس	چل
50	پچاس	پنجاہ
60	ساٹھ	شست
70	ستر	ہپتاد
80	اسی	ہشتاد
90	نوے	نود
100	سو	صد
1000	ہزار	ہزار

خود آزمائی

1- بلوچی زبان کی ابتدا کے متعلق لانگ ورتھ ڈیمز اور گریئرسن کے نظریات کا جائزہ لیں؟
2- بلوچی زبان کے متعلق مختلف نظریات کی روشنی میں آپ کس نظریے سے زیادہ اتفاق کرتے ہیں اور کیوں؟
3- بلوچی زبان کے لسانی جغرافیہ کے متعلق ایک مفصل نوٹ تحریر کریں؟
4- بلوچی کا مشرقی لہجہ کن کن علاقوں میں مستعمل ہے نیز مغربی لہجہ سے اس کا فرق واضح کیجئے؟
5- بلوچی کے حروف تہجی میں دیگر کون کون سی زبانوں کے حروف شامل ہیں' نشاندہی کریں؟
6- اردو اور بلوچی کے بین اللسانی روابط کا مفصل جائزہ قلم بند کریں۔
7- بلوچی میں مصدر کی کیا خاص علامت ہے؟ مثالوں سے وضاحت کیجئے؟
8- بلوچی کے پانچ فقرے اور ان کا اردو ترجمہ تحریر کیجئے۔

یونٹ نمبر 2

قدیم شعری ادب

(بلوچی)

تحریر: واحد بزدار

نظر ثانی: ایوب بلوچ

یونٹ کا تعارف

مطالعاتی رہنما کے اس یونٹ کا موضوع بلوچی زبان کا قدیم شعری ادب ہے۔ بلوچی کا دستیاب قدیم ترین شعری ادب داستان گوؤں اور راویوں کی وساطت سے طویل نظموں کی صورت میں ملتا ہے جسے بلوچی میں ''شیئر'' کہا جاتا ہے۔ اس یونٹ میں قدیم بلوچی شعری ادب کے مختلف ادوار' اس کا پس منظر' نامور شعراء کا تعارف' ان کی شاعری کے موضوعات' رجحانات اور اسالیب سے متعلق سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور ساتھ ہی ان قدیم شعراء کے کلام کی تفہیم کے لئے اردو ترجمہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں زیرِ نظر یونٹ میں آپ بلوچی لوک ادب کی مختلف اصنافِ سخن لولی' سوت' سپت' زہیروک' لاڑوگ' ہالو' لیکو' ڈیہی' لیلڑی' لیلیٰ مور' موتک اور دستانگ کا بھی مطالعہ کریں گے۔ قدیم شعری ادب کی تفہیم کے لئے اس یونٹ کا بغور مطالعہ ضروری ہے۔

مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1- قدیم بلوچی شعری ادب کی تاریخ سے آگاہ ہو سکیں اور بیان کر سکیں۔
2- اس زبان کے قدیم شعری ادب کے عہد بہ عہد ارتقا کی وضاحت کر سکیں۔
3- مختلف ادوار (رند عہد' عہد خوانین اور برطانوی عہد) کی شاعری کی خصوصیات اور موضوعات بیان کر سکیں۔
4- قدیم شعراء کی شعری استعداد اور فنی پختگی کا ادراک کر سکیں۔
5- لوک ادب کی مختلف اصناف کے ناموں سے آگاہی کے ساتھ ساتھ ان کی ہیئت کے بارے میں جان سکیں۔

فہرست

یونٹ کا تعارف اور مقاصد		30
-1	قدیم بلوچی شاعری	33
-1.1	رند عہد	33
-1.2	رند عہد کے اہم شعراء	33
-1.3	شئے مرید	34
-1.4	میر بیبرگ	35
-1.5	بالاچ گورگیج	36
-2	عہد خوانین	38
-2.1	جام درک	38
-2.2	ملا فاضل	40
-3	برطانوی عہد	42
-3.1	رحم علی مری	43
-3.2	مست توکلی	44
-3.3	چگھا بزدار	47
-3.4	جوانسال بگٹی	49
-4	لوک ادب	51
-5	خود آزمائی	56

1- قدیم بلوچی شاعری

بلوچی کلاسیکی شاعری کو عام طور پر تین بڑے ادوار ''رند عہد''، ''عہد خوانین'' اور ''برطانوی عہد'' کے حوالے سے تقسیم کیا جاتا ہے۔

دوسری بہت سی زبانوں کی طرح بلوچی ادب کا آغاز بھی نثر کی بجائے نظم سے ہوا لیکن اس امر کا قطعی تعین کرنا کہ بلوچی شاعری کا آغاز کب اور کس دور میں ہوا' مشکل نظر آتا ہے۔ بلوچی کا دستیاب قدیم ترین شعری ادب داستان گوؤں اور راویوں کی وساطت سے طویل نظموں کی صورت میں ملتا ہے' جسے بلوچی میں ''شیئر'' کہا جاتا ہے' اس عہد سے متعلق ہے جب بلوچوں نے تیرھویں صدی میں ایران سے بلوچستان کی طرف آخری ہجرت کے نتیجے میں سب سے پہلے مکران اور پھر مکران سے بی اور سندھ کی طرف ہجرت کی تھی۔ اس عہد کو بلوچ تاریخ میں ''رند عہد'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

1.1- رند عہد (1450ء تا 1555ء)

اس عہد کی شاعری میں بلوچوں کی نسلی تاریخ، ہجرت کے واقعات' دلیری و بہادری کے کارنامے' رومانی داستانیں' لوک گیت اور پند و نصیحت پر مبنی مذہبی اور دوسری رزمیہ و عشقیہ نظمیں شامل ہیں۔ رند عہد کی شاعری فصاحت و بلاغت اور زبان و بیان کے اعتبار سے نہایت ہی پختہ فکر و خیال کی حامل ایک بلند پایہ شاعری ہے۔ اس عہد کی شاعری کو پڑھتے ہوئے پتہ چلتا ہے کہ یہ کلاسیکی شاعری ایک طاقت ور تہذیبی ورثہ کے بطن سے پیدا ہوئی ہے اور اس کی پشت پر بلوچی شاعری کی ایک توانا روایت بہ تسلسل کارفرما رہی ہے۔ (ح۔20)

رند عہد میں مزاحمتی اور رومانی شاعری کے دھارے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ جہاں ایک طرف جنگ و جدل اور قتل و غارت کے نغمے اور جنگی ترانے سنائی دیتے ہیں وہیں دوسری طرف حسن و عشق کی واردات و معاملات کے تذکرے بھی ملتے ہیں۔ مزاحمتی شاعری کی طرح رومانی شاعری میں بھی انتہا پسندی کارفرما نظر آتی ہے۔ پیار و محبت کے معاملات میں بھی روایتی جوش و خروش' عاشقانہ بانکپن' مہم جوئی اور نرگسیت کا رجحان بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔ بعض اوقات تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ محبت نہیں بلکہ رزم گاہ میں جنگ کے جوہر دکھائے جا رہے ہوں۔ (ح۔21)

محبت اور جنگ کے معاملات میں بلوچوں کا رویہ حیران کن حد تک جارحانہ رہا ہے۔ انہوں نے ہمیشہ جنگ کو عشق اور عشق کو جنگ کے طور پر قبول کیا ہے۔

1.2- رند عہد کے اہم شعراء

رند عہد کو ادبی لحاظ سے اس لئے اہم قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس دور میں کئی رومان ظہور پذیر ہوئے جن میں حانی شئے

1.4- میر بیبرگ

میر بیبرگ کا تعلق رند اشرافیہ سے تھا۔ وہ ایک نڈر اور بے مثال جنگجو' اپنے ہی انداز وصورت کا محبّ وطن' ایک شہرت یافتہ شاعر' جود و عطا کے معاملے میں فیاض' اپنے فیصلوں اور لین دین میں منصف اور معاملہ فہم' جواں مرد و فدا کار تھا' اس کی حربی صلاحیتیں اور جرأت وسخاوت میں اس کی شہرت نے اسے بلوچ تاریخ میں ایک قابل رشک ہستی بنا دیا اور اسی بناء پر اسے عظیم بیورغ (بی برگ) کے نام سے یاد کیا اور سراہا جاتا ہے۔'' (ح۔23)

ایک تخلیق کار کی حیثیت سے ان کی شاعری کے دو نمایاں پہلو سامنے آتے ہیں۔ ابتدائی دور کے حوالے سے میر بیبرگ کی شاعری میں عاشقانہ انداز کی بھرپور اور واضح جھلک ملتی ہے جس میں شوخی اور والہانہ پن کے ساتھ نرگسیت کا رجحان نمایاں ہے جبکہ وقت کے ساتھ ساتھ ان کے فکر وخیال میں زیادہ گیرائی و گہرائی آتی گئی اور انہوں نے رومانی شاعری سمیت زندگی کے دوسرے مسائل کو بھی موضوع سخن بنایا۔ اس طرح انہوں نے اپنے فن کو صرف عشق کے معاملات تک محدود نہیں رکھا بلکہ اپنی رنگا رنگ اور گونا گوں صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی شاعری کے لئے بہت سی نئی راہیں اور جہتیں دریافت کیں۔'' (ح۔24)

شاعری کے بارے میں میر بیبرگ کا نقطۂ نظر انتہائی واضح اور غیر متزلزل رہا ہے۔ ان کے نزدیک محبت اور شاعری بہادر لوگ ہی کر سکتے ہیں جبکہ بزدل آدمی نہ تو شاعری کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی جنگ لڑ سکتا ہے۔

شیراں ہما مرد گش انت

وت موہری داوا گرانت

ترجمہ: شاعری وہ لوگ کر سکتے ہیں جو جنگ میں سب سے آگے ہوں۔

ان کے اشعار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت بڑی عمر کو پہنچے اور اپنی آنکھوں سے بلوچ دور کا عروج و زوال دیکھا۔ ایک نظم میں وہ اس واقعے کی منظر کشی کرتے ہیں جب بلند قلعے کی فصیلیں پھلانگ کر وہ اپنی محبوبہ سے ملنے گئے۔

ترجمہ: ''میں نے کمند لہرا کر قلعے کے برج میں پھنسائی اور پھسلوانی چٹان جیسی دیوار پر پہاڑی بکرے کی سی چستی سے چڑھنے لگا۔ بلندی سے نیچے نظر پڑی تو سر چکرانے لگا۔ میں نے دل کو ڈانٹا' دیکھ کہیں تیری ہمت نہ ڈگمگائے کہ کم ہمتی کی قیمت زندگی ہے''۔

1.5- بالاچ گورگیج

بالاچ گورگیج سترھویں صدی کے ایک عظیم شاعر تھے۔ وہ مصلحت، سمجھوتہ، بزدلی، کم ہمتی اور کمزوری جیسے الفاظ سے نا آشنا تھے۔ اپنی زندگی کی آخری سانس تک دشمنوں سے لڑتے رہے۔ بلوچ دوستی اور دشمنی کے معاملے میں انتہا پسند واقع ہوئے ہیں۔ وہ ایک کٹورے پانی کے بدلے میں سو سال تک وفا کی تلقین کرتے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف دشمنی اور انتقام کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر یہ رہا ہے۔

ترجمہ: بلوچوں کا انتقام دو سو سال تک محو نہیں ہوتا

ان کا انتقام جوان ہرن کی طرح ہوتا ہے۔

گہرے کنوئیں میں پتھر تو گل سکتے ہیں

مگر مردوں کے سینے کی گہرائیوں میں

انتقام مر نہیں سکتا

بلوچ تاریخ میں مزاحمت اور انتقام کی ایسی سینکڑوں شعری روایات اور تاریخی واقعات ملتے ہیں لیکن بالاچ کا مقام و کردار، اس کی سوچ اور شاعری اور بلند آہنگ لہجہ سب سے نمایاں اور منفرد ہے۔ بلاشبہ انہوں نے رزمیہ شاعری کے حوالے سے ایک ایسا لافانی ادب تخلیق کیا جس کی شاید ہی کوئی نظیر مل سکے اور اسے بلوچی شاعری کی تاریخ میں ایسی ہمہ گیر مقبولیت حاصل ہوئی جو شاید ہی کسی کو نصیب ہو سکے۔ بالاچ گورگیج سے پہلے کی مزاحمتی شاعری، قبائلی سوچ اور حوالوں سے خود کو آزاد نہ کرا سکی لیکن یہ بالاچ ہی تھے، جنہوں نے اسے قبائلیت کے تنگ اور پر پیچ راستوں سے نکال کر اجتماعیت کا مظہر بنا دیا اور شجاعانہ طرز عمل کے باعث، بہادری اور انتقام کا سمبل بن کر خود کو تاریخ کے صفحات میں امر کر دیا۔'' (ح۔25)

ترجمہ: پہاڑ بلوچوں کے قلعے ہیں

دشوار گزار اور بے راہ گھاٹیاں

ان کے گودام ہیں۔

وہ اونچی چٹانوں کے سائے میں بیٹھتے ہیں

اور بہتے چشموں کا پانی پیتے ہیں

''پیش'' کے پتوں سے آبخورے بناتے ہیں۔

خاردار جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھتے ہیں

پہاڑی ندیوں کی باریک کنکریاں

ان کے لئے گدیلوں کا بدل ہیں

اور صاف پتھر اُن کے سرہانے کا کام دیتے ہیں

سفید چپلیاں ان کے گھوڑے ہیں

اچھے خدنگ ان کے بیٹے ہیں

چکنی اور سخت ڈھالیں ان کے بھائی ہیں

نوکدار خنجر ان کے بھتیجے ہیں

سیوائی کمان ان کے باپ ہیں

اور مردم خور تلواریں ان کے داماد ہیں۔

(ترجمہ: میر گل خان نصیر)

2- عہد خوانین

رند عہد کی شکست و ریخت سے لے کر سترھویں صدی کے وسط تک (جو کم و بیش ایک صدی پر محیط ہے) بلوچستان کی سیاسی فضاء پر مایوسیوں اور تاریکیوں کا ایک ایسا گھمبیر سناٹا مسلط رہا ہے جہاں سماج' معاشرت' ادب و ثقافت غرضیکہ زندگی کا ہر نقش مبہم' منتشر اور غیر واضح نظر آتا ہے۔ انتشار و زوال کی اس کیفیت نے ایک مدت تک بلوچستان کو اپنے آسیب میں جکڑے رکھا۔

سترھویں صدی کی دوسری دہائی میں میر احمد قمبرانی کی سربراہی میں بلوچستان میں ایک اور قبائلی وفاق قائم ہوا۔ رفتہ رفتہ اس وفاق نے بلوچستان پر اپنی سیاسی گرفت مضبوط کرلی۔ بعد میں اسی خاندان کے ایک نامور حکمران خان نصیر خان اول نے عنان حکومت ہاتھ میں لے کر تمام منتشر بلوچ قبائل کو اپنی قلمرو میں شامل کرلیا۔ اس طرح اس نے ایک مضبوط ریاست کی داغ بیل ڈال کر بلوچ قبائل کو ایک مرکز فراہم کیا۔ اس نے قبائل رسم و رواج کو آئین کی صورت دیکر کئی اصلاحات کیں۔

میر نصیر خان کے دربار میں ایران اور افغانستان سے آئے ہوئے علما نے عربی اور فارسی میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ عربی اور فارسی کی درس و تدریس کی بدولت اس دور کی شاعری میں ان اثرات کو بخوبی دیکھا جاسکتا ہے۔ ان مکتبوں اور مدرسوں میں پڑھنے والے لوگوں نے قدیم بلوچی شعری روایت کے برعکس فارسی کی تشبیہات و استعارات اور فرہنگ کو جابجا اپنی شاعری کا حصہ بنایا۔ اس اعتبار سے اس دور کی شاعری کو ملاؤں کے دور کی شاعری سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ذیل میں اس عہد کے چند نامور شعراء کا ذکر پیش کیا جاتا ہے:

2.1- جام درک

جام درک کا تعلق ڈومکی قبیلے سے تھا۔ وہ بلوچستان کے نامور فرمانروا میر نصیر خان نوری کے دربار سے وابستہ تھے۔ میر نصیر خان کے دربار سے منسلک جام درک اس دور کے وہ واحد شاعر ہیں جنہوں نے پہلی بار بلوچی شاعری کو ایک لطیف پیرایۂ اظہار عطا کیا۔ انہوں نے مشرقی اور مغربی لہجوں کے خوبصورت امتزاج سے بلوچی شاعری کو ایک ایسا توانا اور نمایاں لہجہ عطا کیا' جس میں جذبہ کی شدت اور سچائی سمیت ایک بلند تخیل کارفرما نظر آتا ہے کیونکہ ''قدیم بلوچ شعراء کے ہاں یہ عام دستور تھا کہ وہ اپنے خیالات سیدھے سادے اور سپاٹ انداز میں بیان کرتے تھے۔ ان کے ہاں تشبیہہ' تمثیل' استعارہ' اشارہ' کنایہ اور تخیل کی رنگ آمیزی کا رواج نہ تھا۔ کلاسیکی شعراء میں جام درک ہی وہ پہلا شاعر ہے جس کے ہاں تشبیہہ و استعارات کے ساتھ ساتھ نزاکت تخیل کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔'' (ح-26)

جام درک کو نہ صرف اپنے عہد کے ملک الشعراء ہونے کا اعزاز حاصل ہے بلکہ کئی صدیاں گزر جانے کے بعد آج بھی

ان کی شاعری کا رنگ ڈھنگ اور ان کا لہجہ اسی طرح خوبصورت اور تروتازہ دکھائی دیتا ہے اور فنی اور تخلیقی خوبصورتی کے باعث ان کی شاعری ایک طرز فغاں کے طور پر زندہ روایت میں ڈھلتی نظر آتی ہے۔'' اس کی شاعری لطافت و شگفتگی کا ایک عمدہ نمونہ پیش کرتی ہے اور افکار تازہ اور تخیل درخشاں کے شعلوں سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ وہ حسن زبان کے ساتھ شیریں نغمگی کو ملاتا ہے یہ وہ انداز ہے جو فارسی میں نظیری سے مخصوص ہے۔'' (ح۔27)

ترجمہ:

کھلکھلا کر جو بجلیاں شب کو
مستیاں غرب کی اٹھا لائیں
یاد آئی ہیں پھر حسینائیں
حسرتیں لے کے ڈال دیں بانہیں
میں دوانہ ہوں دل سے الجھا ہوں
دل بھی پاگل ہے مجھ سے الجھا ہے
ضد کرے مجھ سے طفل کی مانند
یا کسی ترک شاہ کی مانند
اس گرہ گیسو کی تمنا ہے
جو حسیناؤں میں یگانہ ہے
مہ جبیناؤں میں یگانہ ہے

(ترجمہ: عطا شاد)

جذبہ و احساس کی شدت' فکر و خیال کی بلندی اور پیرایہ ءِ اظہار کی سلاست و دلنشینی جام درک کی شاعری کا خاصہ ہے۔ بلا شبہ اس نے اپنے عہد کی مروج شعری روایت و اسلوب سے ہٹ کر بلوچی نظم کو ایک نیا رنگ و آہنگ اور نیا لب و لہجہ عطا کیا۔ جام درک کو خود بھی اس امر کا احساس تھا۔ وہ کہتے ہیں:

گالوں گُشتگاں
دروں سپتگاں
لعلوں رپتگاں

ترجمہ: میں نے اشعار کہے ہیں۔

موتی پروئے ہیں۔

(اور) لعل جڑے ہیں۔

جام درک کوئی مبلغ یا مصلح نہیں تھا لیکن وہ عظمت کردار کا زبردست حامی تھا۔ اس لئے اس نے اپنے کلام میں حکمت و دانش، عرفان و آگہی کی باتیں کی ہیں، نیکی اور سچائی کی تعلیم دی ہے اور وہ نیکی اور سچائی کو بنی نوع انسان کی اصلاح کا ذریعہ سمجھتا ہے:

اے جان من سن لے ذرا	یہ امر بالمعروف ہے
ہر نفس پر قابو ترا	اور دل ہو تابع عقل کے
ہر صبح اٹھ کر یاد کر	اس ذات کو خالق ہے جو
کر لے یقین اس بات کا	سنتا ہے وہ جو تو کہے

(ترجمہ: عابد رضوی)

2.2- ملا فاضل

ملا فاضل 1220 ہجری میں مکران میں ''مند'' کے مقام پر چاؤش کے گھر پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق بلوچوں کے ممتاز قبیلے رند سے تھا۔ ملا فاضل ایک انتہائی فاضل و عالم شخص تھے۔ انہیں اسلامی علوم پر مکمل دسترس حاصل تھی۔ ''اس کے کلام میں پرتاثیر چاشنی اور بذلہ سنجی و ظرافت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا انداز آرائشی الفاظ سے مملو ہے۔ اس میدان میں غالباً کوئی بلوچی شاعر اس کی برابری نہیں کرسکتا۔ صنائع لفظی، ایہام اور علمی تلمیحات و کنایات کے سبب، جو اس کی بیشتر نظموں میں موجود ہیں، بعض مرتبہ عام ذہن کے لئے اس کے کلام کو سمجھنا خاصا دشوار ہو جاتا ہے۔'' (ح۔28)

ملا فاضل کے کلام میں حافظ شیرازی کا رنگ نمایاں ہے۔ جام درک کی طرح ملا فاضل بھی اس عہد کی ایک توانا اور نمایاں آواز ہیں جنہوں نے بلوچی شاعری کو ایک نئے اور منفرد طرز احساس سے آشنا کیا۔ ملا فاضل کے چھوٹے بھائی ملا قاسم بھی ایک اچھے رزم گو شاعر تھے۔ مغربی مکتب فکر کے شعراء میں ملا فاضل اور ملا قاسم کے علاوہ ملا بہادر، ملا ابراہیم، ملا یار محمد رخشانی، ملا رگام وشی اور دوسرے بہت سے ہم عصر شعراء کے نام شامل ہیں لیکن ملا فاضل کی آواز اپنے ہم عصر شعراء کی نسبت کہیں زیادہ نمایاں اور منفرد ہے۔ فارسی اور عربی الفاظ و تراکیب اور کنایہ و تلمیحات کے باعث کہیں کہیں ان کی زبان انتہائی گنجلک اور پیچیدہ دکھائی دیتی ہے اور کہیں خالص اور ٹھیٹھ بلوچی الفاظ و تراکیب کے حوالے سے بھی وہ مشکل پسندی کے شکار نظر آتے ہیں لیکن مجموعی طور پر ان کی شاعری ایک منفرد لہجے کی حامل ہے۔ ان کا کلام بشیر احمد بلوچ نے ''شب چراگ'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع کیا۔

کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:

ترجمہ:

رات کے چار پہر ہوتے ہیں
اور غم بھی چار قسم کے مجھ پر مسلط رہتے ہیں۔
میرا دل جانتا ہے کہ
کسی اور کو ایسے غم نہیں ملے ہیں
یہ غم، سیسے کے بار ہیں
جو مجھ پر لاد دیئے گئے ہیں۔
ان کی ایک قسم
بہت بڑے بوجھ اٹھانے والے
بحری جہاز سے بھی زیادہ گراں بار ہے۔
ایک قسم
حضرت یعقوب کے خیالوں سے بھی زیادہ
اندوہ ناک ہے
ایک قسم
نئی سان چڑھی
زرہ بکتروں کو کاٹنے والی تلوار سے بھی
زیادہ تیز ہے
اور ایک قسم
آسمان میں دمکنے والے
ستاروں سے بھی زیادہ نیش مارتی ہے۔

(ترجمہ: میر گل خان نصیر)

3- برطانوی عہد

رند ولاشار کی آپس کی لڑائیوں اور بلوچستان میں انگریزی استعمار کے عمل دخل سے پہلے کے اس درمیانی عرصہ کی بلوچی شاعری میں رزمیہ شاعری کی روایت بہت حدتک کمزور ہو چلی تھی اور اس کی جگہ پرانی شعری روایت کے برعکس موضوع اور مواد کے اعتبار سے ایک نئی شاعری جنم لے رہی تھی لیکن انیسویں صدی کی تیسری دہائی میں برطانوی افواج کی پیش قدمی کے خلاف بلوچ قبائل کی مزاحمت نے بلوچستان اور بلوچی شاعری کو ایک نئی صورتحال سے دو چار کیا۔ 1839ء میں خان قلات میر محراب خان کی شہادت کے بعد پورے بلوچستان میں انگریزوں کے خلاف نفرت کی ایک لہر دوڑ گئی اور جگہ جگہ قبائلی مزاحمتی کارروائیوں کا آغاز ہوا۔ بلوچوں نے قدم قدم پر برطانوی افواج کا مقابلہ کیا اور اپنی سرزمین پر انہیں کبھی بھی چین سے دم لینے نہ دیا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ برطانوی افواج اپنی جنگی طاقت کے ذریعے بلوچوں کو زیر کرنے اور بلوچستان پر قبضہ اور غلبہ حاصل کرنے میں مکمل طور پر ناکام رہی اس لئے براہ راست فوجی محاذ آرائی سے گریز کرتے ہوئے اس نے لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی پر عمل کیا۔ اس طرح انگریز بلوچوں کے مختلف قبائل اور خان کے درمیان اختلاف اور نفاق کے بیج بو کر بلوچستان پر اپنی گرفت مضبوط کرنے میں کامیاب رہا۔

تقسیم اور انتشار کے اس عمل کے باوجود جہاں ایک طرف بلوچ قبائل مختلف قبائلی ٹکڑیوں کی صورت میں 1839ء سے لے کر 1920ء تک انگریزی استعمار کی جارحیت کے خلاف سینہ سپر رہے' وہیں دوسری طرف برطانوی سامراج کے خلاف 80 سال تک لڑی جانے والی جنگوں کے نتیجے میں ایک بلند آہنگ مزاحمتی شاعری تخلیق کرنے میں کامیاب رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رزمیہ شاعری نے تاریخ کے ہر دور میں بلوچوں کی سیاسی اور قومی جدوجہد میں نمایاں کردار ادا کیا۔

برطانوی عہد کے اہم شعراء میں بجار مری' رحم علی مری' گدو مری' ملا مزار بنگلزئی' ریکی' ملک دینار میرواڑی' ملا رگام وشی' ملا ہومر مری' ملا محمد حسن رئیسانی' ملا یار محمد رخشانی کے نام نمایاں ہیں جنہوں نے انگریزی استعمار کے خلاف بلوچوں کی مزاحمتی تحریک کو اپنی سرزمین اور قومی بقاء کی تحریک قرار دے کر بلوچ عوام کی جدوجہد اور مزاحمت کے عمل کو خراج تحسین پیش کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انگریزی لاؤ لشکر کو یزیدیت کی علامت قرار دے کر ان کی جارحیت اور پیش قدمی کی مذمت کی۔ اس دور کے دوسرے نامور شعراء میں منت توکلی' جوانسال بگٹی' بہرام جھکرانی' جیوا کرد' سدن گوئر' غلام حیدر بالا چھانی' محمد خان گشکوری' سکندر کھوسغ' سائل پکیر' چگھا بزدار اور رحمٰن بزدار شامل ہیں جنہوں نے مزاحمتی شاعری سے ہٹ کر مذہبی اور سماجی سطح پر معاشرتی اور مذہبی مسائل و افکار کو اپنی شاعری میں جگہ دی لیکن مست توکلی کی شاعری کا رنگ ڈھنگ اور اس کا شعری اسلوب اس عہد کے شعراء سے یکسر مختلف ہے۔ اس کی شاعری کو جام درک اور شئے مرید کی رومانی شاعری کی صدائے بازگشت کہا جا سکتا ہے۔

3.1- رحم علی مری

رحم علی مری، مری قبیلہ کے مشہور شاعر بجار مری کے فرزند تھے۔ باپ کی وفات کے بعد انہیں "ریزوار" شاعر کی حیثیت سے مری قبیلہ کا "قومی شاعر" منتخب کیا گیا۔ انہیں بلوچی رزمیہ شاعری کا فردوسی کہا جاتا ہے۔

رحم علی مری بلوچستان میں انگریزی استعمار کی پیش قدمی کے خلاف لڑتا رہا اور اپنی شاعری کے ذریعے بلوچ حریت پسندوں کو انگریزوں کے خلاف مزاحمت پر اکساتا رہا۔ بلوچستان کے دوسرے بلوچ حریت پسندوں کی طرح مری حریت پسندوں نے بھی اپنی سرزمین کی حفاظت اور اپنی قومی آزادی کی خاطر انگریزوں کے ساتھ کئی لڑائیاں لڑیں۔ رحم علی مری نے اپنی شاعری میں ان حریت پسندوں کی لازوال قربانیوں کو خراج عقیدت پیش کیا جنہوں نے مادر وطن کی خاطر اپنے لہو کا نذرانہ دیا، اس کے برعکس جب انہوں نے وطن فروش سرداروں کو انگریزوں کے سامنے سربسجود ہوتے دیکھا تو طنزیہ انداز میں کہا:

غیرت بھاگ کھڑی ہوئی
اور پلٹ کر حیا سے کہنے لگی
میں تو جا رہی ہوں
تو بھی میرے پیچھے پیچھے خاموشی سے چلی آ

رحم علی مری کے نزدیک وہ قوم جو تن آسان ہو وہ سستی اور تساہل کا شکار ہو کر اپنی موت کا خود اعلان کرتی ہے۔ اس لئے وہ بڑی شدت کے ساتھ جنگ کا نعرہ مستانہ بلند کرتے ہیں۔

حیرانی تمن ویران انت
سیٹ گوں شکلیں جنگان انت

ترجمہ: سست اور تساہل پسند قومیں مر جاتی ہیں فائدہ اور نفع تو جنگوں میں ہے۔

انگریزوں کی پیش قدمی کو ممکن بنانے اور انگریزی استعمار سے تعاون کرنے والوں کے بارے میں رحم علی مری کی ایک طویل نظم سے چند اقتباس ملاحظہ ہوں:

فرنگی آہستہ آہستہ بڑھتا رہا
غدار اس کی رہنمائی کرتے رہے۔
نشیبی علاقوں کے بے حمیت
انگریزوں کو یہاں لے آئے
وطن غیور مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔

اور انگریز شراب کے نشے کی طرح اعصاب پر سوار ہوتا چلا گیا
اس کے اثرات کو ہٹانا وبال جان بن گیا ہے
ملک میں فریب کا سکہ چل گیا
عوام کو (سنگ) ٹیکسوں سے زیر بار کیا گیا
بدمستی میں لوگوں نے خود ہی وطن ان کے حوالے کر دیا
پیسوں کے لئے وطن بیچ دیا
انگریز چالاک ہے
وہ فریب دینے کا ہنر جانتا ہے
یہودی کا کام ہی منافقت ہے

(ترجمہ: کامل القادری)

ملا قاسم اور رحم علی مری بلوچی زبان کے ان اولین شعراء میں سے ہیں جنہوں نے 1936ء میں برصغیر کی ترقی پسند تحریک کے قیام سے بہت پہلے طبقاتی تضاد اور استحصالی نظام کے کریہہ رویوں کو اپنے فکر وفن کا موضوع بنایا۔ اس حوالے سے انہیں بلا شبہ بلوچستان میں روشن خیالی اور ترقی پسند رجحانات کا اولین علمبردار کہا جا سکتا ہے۔

طبقاتی تضاد اور استحصالی رویوں کے بارے میں یہاں رحم علی مری کے چند اشعار کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

کچھ لوگ تو پلنگوں پر استراحت کرتے ہیں۔
باقی آدھی راتوں کو دربہ در ٹھوکریں کھاتے ہیں۔
کچھ کے پاس روٹی کا ایک نوالہ بھی نہیں۔
اور کچھ نوکر چاکر رکھے ہوئے ہیں۔
کچھ تقریب وجشن میں مست ہیں۔
اور کچھ لوگ بھوک سے نالہ وفریاد کرتے نظر آتے ہیں۔

3.2- مست توکلی

مست توکلی، مری کوہستان کے ''ماٹرک بند'' نامی مقام پر پیدا ہوئے۔ بلوچوں کے مشہور مری قبیلہ کی شیرانی شاخ سے ان کا تعلق تھا۔ عین عالم شباب میں ''سمو'' نامی ایک شادی شدہ خاتون سے انہیں دیوانگی کی حد تک محبت ہوگئی چنانچہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر وہ ساری زندگی عشق ومحبت کے شیریں نغمے الاپتے رہے۔

مست کی تمام تر شاعری اور فکروفن ان کی محبت کا وہ لازوال پرتو ہے جو ایک نقطے سے شروع ہو کر کائنات کی بیکراں وسعتوں میں پھیل جاتا ہے۔ بظاہر مست کی شاعری کا تانا ''سموؤ'' ہی کے گرد گھومتا نظر آتا ہے لیکن اصل میں سمو وہ نقطہ ہے جہاں مست پوری کائنات کا دکھ سمیٹے کبھی سندھ کے ریگستانوں اور کبھی کوہ سلیمان کی سنگلاخ چٹانوں اور ویرانوں میں سرگرداں دکھائی دیتا ہے۔ ''سموؤ'' حسن ومحبت کی ایک علامت ہے اور مست کی نگاہوں میں ہر طرف اس کا ملکوتی حسن نظر آتا ہے۔

مست توکلی صوفی شاعروں کی طرح امن وآشتی کے پیام بر تھے' محبتوں اور چاہتوں کے پرچارک تھے لیکن وہ بنیادی طور پر نہ صوفی تھے اور نہ صافی۔ وہ ایک سچے انسان تھے اور یہی سچائی ان کی پہچان بن گئی۔ مست توکلی جنگ سے شدید نفرت کرتے تھے۔ وہ انسانوں کو مرتا دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے ایک قبائلی جنگ میں شریک ہونے سے صرف یہ کہہ کر انکار کیا تھا کہ:

جوان نہ انت جنگانی بذیں بولی
کئے وثی دوستیں مردماں رولی

ترجمہ: جنگ وجدل کی باتیں اس لئے قابل نفرت ہیں کہ وہ کون ہے جو اپنے دوستوں کو جنگ کی آگ میں جھلتا دیکھ سکے۔

مست توکلی کی شاعری ایک ایسا احساس ہے جہاں سے امن وآشتی اور اپنی دھرتی سے والہانہ محبت کے نغمے پھوٹتے ہیں۔

میری محبوبہ جاندران پہاڑ کا ایک لاثانی لیمو ہے
اس کی پرورش وتربیت بلند ڈھلوان چٹانوں کے سرد سایوں
میں ہوئی۔
اس کی وضع قطع موسمی بادلوں کی طرح باعظمت وباشکوہ ہے
اس کی چال میں بادنسیم کے جھونکوں کی نزاکت ولطافت ہے
اس کی الجھی ہوئی زلفیں ''زامر'' کی طرح لٹکی ہوئی ہیں
اس کے درخشاں چہرے کے دونوں جانب لٹکے ہوئے چوڑے
اور باریک بندے اس کے حسن کو چار چاند لگا رہے ہیں
اس کی پتلی کمر کے دونوں طرف کی پسلیاں' زیبا و پروقار
دکھائی دے رہی ہیں۔
جیسے کسی ماہر نجار نے اپنے سلیقہ ومہارت کا مظاہرہ کیا ہو

وہ تلوار کے آبدار پھل کی طرح بڑے دم خم والی ہے
اس کا کوئی بھی قریبی عزیز شاعر کو اس سے دل برداشتہ کرنے
کی جرات نہیں کرسکتا۔

(ترجمہ: محمد سردار خان گشکوری)

مست توکلی کے بارے میں رائے یہ ہے کہ وہ زبردست قسم کے صوفی اور صافی تھے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مست توکلی صوفیاء کے مروجہ مفہوم کی حد بندیوں سے ماورا ایک آزاد منش انسان تھے۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ وہ نظری طور پر تصوف اور راہِ سلوک کی باریکیوں سے آشنا تھے اور انہوں نے تصوف کے مسائل پر اظہار خیال بھی کیا لیکن وہ عشق کے اونچے سنگھاسن پر چڑھ کر ایک ہی جست میں عرفان و آگہی کی منزلیں سر کرنے میں کامیاب رہے۔

پاذمن پوڑی آں اڑا ئینتہ	ہم نے اپنے پاؤں زینوں میں جمالیے ہیں
دست خوبی گوں تھنگویں گھواں	ہاتھوں سے گہنوں کو مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے
گرہما ضامناں صحیح ایناں	ضامن وہ ہو جس کی ضمانت قابل اعتماد ہو
یار ہما انت کہ دائما یاراں	رفاقت وہی پائدار ہے جو ہمیشہ کے لیے ہو
حیدری گپتاراں خبر داراں	وہ رفیق جو حیدری اقوال سے باخبر ہو
مانڑژا سُہر ءُ تھنگوّاں باراں	جس کا پلڑا گہر بار افکار کا حامل ہو

ایک اور نظم میں مست توکلی مناجات کرتے ہوئے کہتے ہیں:

گنداں تئی لوڈاں من بشا ئیغاں
تُڑساں چہ زور کھاراں قہار ئیغاں
چھیئے تئی کارانی ازل گیراں
چھیئے تئی مہرانی فضل گیراں
دوست مناں پڑدائے نقل داری
چھم ژامہرانی درا گواری
شربتاں پاك ئیغاں من لوٹاں
ہر دو رنگانی شیشغاں لالیں
نوشتنت شاہ ءِ جُتکغیں بچھاں

پیالوے نوشاں کا غذیں رکھاں

ترجمہ: تیرا رعب وجلال دیکھ کر

دل پر جلیل اور قہار خدا کا خوف طاری ہوتا ہے

کچھ ایسے ہیں جو اپنے اعمال کی وجہ سے گرفت میں ہیں

جبکہ کچھ تیری رحمتوں سے بہرہ یاب ہیں

محبوب کے اور میرے درمیان ایک باریک پردہ حائل ہے

آنکھیں غایت محبت سے اشکبار رہتی ہیں

میری تمنا ہے کہ مجھے دیدار حق کا پاکیزہ شربت ملے

وہ شربت جو دو رنگوں کے شیشوں میں بھرا ہے

جسے شاہ مرداںؓ کے دونوں بیٹوں نے نوش کیا

میں اسی شربت کا ایک جام کاغذی ہونٹوں سے

پینے کا آرزومند ہوں۔

مست توکلی نے اپنی محبوبہ سمو کی تصویر کشی اس طرح کی ہے:

سمو ایک غزال صحرا

سمو پیڑ ہے پیپل کا

سمو ایک سبوئے بادہ

سمو راز ہے فطرت کا

سمو ہے اک گل نورستہ

سمو برق ہے پیوستہ

سمو ایک ضیائے شبہا

سمو ایک متاع دلہا (ترجمہ: غوث بخش صابر)

3.3- چگھا بزدار

چگھا بزدار کا اصل نام علی محمد تھا وہ ضلع ڈیرہ غازیخان کے قبائلی علاقہ کوہ سلیمان میں پیدا ہوئے۔ وہ نہ صرف بلوچی زبان کے ایک بلند پایہ شاعر تھے بلکہ شاعری کے منصب و مقام سے بھی آگاہ تھے۔ ان کے نزدیک شاعر جمہور کا

ترجمان ہوتا ہے۔

ے شاعر تمن داوا گرانت

ورداس ہر دیے دئت

ترجمہ: شاعر جمہور کا ترجمان ہوتا ہے اور انہیں صورتحال سے باخبر رکھنا اس کی ذمہ داری ہے۔

عوام کا ضمیر اور زبان ہونے کے باعث چگھا بزدار کو اپنے عہد کے سرداروں کے جبر کا نشانہ بننا پڑا۔ سرداری مظالم کی مخالفت کی پاداش میں ان پر جھوٹے مقدمات قائم کیے گئے۔ انہیں پس زنداں کیا گیا' علاقہ بدر کیا گیا مگر ان کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہیں آئی۔ وہ ایک جگہ اس صورتحال کے بارے میں اشارہ کر کے کہتے ہیں۔

ے ماکہ اثوں درزی تمن ءِ بل راج بے پوشی مہ ویث

کہنغاں ورجند نئیل انت نام بست اش رہزنی

ترجمہ: ہم تو قوم کا لباس تھے اور انہیں لباس پہناتے رہے کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ قوم برہنگی کا شکار ہو جائے۔ مگر الٹا ہمیں بے لباس (بے وقار) کرنے کی کوششیں کی گئیں اور ہمارا نام رہزن کے طور پر لیا جانے لگا۔

بنیادی طور پر چگھا بزدار کی شاعری کا مرکزی موضوع ایک ایسے زوال پذیر انسانی معاشرے کی داستان ہے جہاں مذہبی شعائر و اقدار سے بیگانگی اور لاتعلقی سمیت سماجی سطح پر عمومی بے حسی' فکری انحطاط اور زندگی سے فرار و گریز کے سبب عوام اپنے یقینی ردعمل' پہچان اور شناخت سے محروم نظر آتے ہیں۔ اس بے یقینی' لاتعلقی اور بیگانگی کے تناظر میں چگھا بزدار اعلیٰ و ارفع انسانی مقصد حیات کی دہائی دیتے ہوئے سماج کے ایک بلند تر اور اونچے سنگھاسن پر کھڑے ہو کر لوگوں سے مخاطب نظر آتے ہیں۔ اس لئے ان کے لب و لہجہ میں جا بجا ناصحانہ' خطیبانہ اور واعظانہ رنگ نمایاں ہے۔

علم اور عشق دونوں نور کے سرچشمے ہیں

لیکن خدا کے نزدیک عشق کا مقام بلند ہے

عشق کے سودائی منصور و بلال کی مثال ایک حقیقت ہے

اے دیوانے شاعر!

تیری سوچ تو مختصر ہے

سب کچھ کاتب تقدیر لکھ چکا ہے' ہم بلاوجہ محو حیرت ہیں

ہماری سوچ تو اس قدر محدود ہے کہ ہمیں

اپنے ماضی اور مستقبل کی خبر تک نہیں

تمہیں بخوبی علم ہے کہ انسان کو مرنا ہے
مگر تم ہو کہ چار روزہ زندگی کی مہلت پر اتراتے پھرتے ہو
بہت جلد روانگی ہوگی
نفس امارہ اور حرص' اندھے کی طرح آخری سانس تک
تیرے ساتھ چمٹے رہیں گے
لیکن ان سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔

3.4- جوانسال بگٹی

جوانسال بگٹی (1885ء-1965ء) بلوچستان کے ''کھٹن'' نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ وہ روایتی تعلیم سے بے بہرہ تھے لیکن ان کی شاعری ایک اعلیٰ وارفع مقصد اور پختہ فکر وشعور کی غمازی کرتی ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں اخلاقی' مذہبی اور معاشرتی مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ ایک باشعور اور دیدہ ور شاعر ہونے کے ناتے انہوں نے نہ صرف اپنے عہد کی زوال پذیر صورتحال کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا بلکہ معاشرتی زوال کے المیہ کے حوالے سے ان کا ایک انوکھا طرزِ عمل انسانی تاریخ میں ایک یادگار واقعہ کے طور پر ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

واقعہ یوں ہے کہ جوانسال بگٹی اُجرتی مزدور کے طور پر پیشۂ شبانی سے منسلک تھے۔ دوسرے لوگوں کی بھیڑ بکریوں کے علاوہ ان کی اپنی بھی چند ایک بھیڑ بکریاں تھیں' جس سے ان کا گذر بسر ہوتا تھا۔ ایک دن انہوں نے اپنی ملکیت کی بھیڑ بکریوں کو ذبح کر کے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو دعوتِ طعام دی۔ لوگوں نے جب اس دعوتِ طعام کے بارے میں اُن سے استفسار کیا تو انہوں نے کہا کہ میں ''حیا اور غیرت'' کا چہلم منا رہا ہوں کیونکہ ''حیا اور غیرت'' ہمارے معاشرے سے رخصت ہو چکی ہیں۔

جوانسال بگٹی ''خلافت تحریک'' سے بھی وابستہ رہے ہیں۔ خلافت تحریک سے وابستگی کے باعث وہ چھ ماہ تک ڈیرہ بگٹی کی جیل میں قید بھی رہے۔

عطا شاد نے 1970ء اور گلزار خان مری نے 1979ء میں ان کے منتشر کلام کو مرتب کر کے بلوچی اکیڈمی' کوئٹہ سے شائع کروایا۔

زوال پذیر سماجی اقدار کے تناظر میں انسانی زندگی کے مختلف رویوں اور کرداروں کے تضاد کے بارے میں جوانسال بگٹی کے چند اشعار کا ترجمہ ہو:

''ہم حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں جو ہمارے نیک و بد کے جدِ اعلیٰ ہیں۔ ایک وہ شخص ہے جو ہمارے قریب ہی کہیں رہتا ہے۔ وہ روسیاہ ہے۔ درندہ ہے۔ میں اُسے پہچان گیا ہوں۔ وہ شیطان ہے۔ ناقابل بھروسہ ہے۔ خونریزی

اُس کا شیوہ ہے۔ ظلم اور بدکاری اُس کا پیشہ ہے۔ شیخی بگھارتا ہے۔ راندہ ءِ درگاہ ہے۔ فرمانِ الٰہی کا منکر ہے۔ چرب زبان اور کبر ونخوت کا سرچشمہ ہے۔ اس طرح کے شخص کو عزرائیل بھی ہلاک نہیں کرسکتا''۔

جوانسال ناخواندہ تھا مگر اسلام کا ایک پُرجوش مبلغ اور سماجی زندگی کا باخبر مصلح تھا۔ اُس نے اپنے کلام کے ذریعے لوگوں کو اسلام کی خوبیوں کا قائل کرنے میں پوری زندگی سعی و کاوش کی ۔ بلوچوں کی معاشرتی برائیوں اور اسلام سے بیگانہ رسومات کی شدت سے مخالفت کی۔ دور حاضر کی تہذیبی کمزوریوں کو بڑی جرأت سے بے نقاب کیا اور اُن میں جو بااثر لوگ ملوث تھے اُنہیں بے جگری سے للکارا۔ نہایت کم گو، کم خوراک اور زاہد شب بیدار شاعر جوانسال اپنی زندگی میں مرجع عقیدت رہا۔ بلوچی میں ان سے زیادہ کسی کی شاعری اس دور میں مقبولیت حاصل نہیں کرسکی۔ مشرقی بلوچستان میں (سندھ کے شاہ لطیفؒ کی طرح) ان کے کلام کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

ان کی ایک طویل نظم کا ترجمہ غوث بخش صابر نے کیا ہے۔ اس نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بندہ غرہ سر
ناداں مثل خر
بے فرماں بشر
آخر ہے جہاں
ظاہر ہیں نشاں
ترقی پہ مجاز
ٹھگی پر ہے ناز
کوتاہ کم لباس
چٹورا چٹاس
ناداں کم شناس
چھوڑی ہے نماز
خودسر مکرباز
محروم نیاز
جولاں چوں جہاز

4- لوک ادب

لوک گیت کسی معاشرے کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ بلوچی ادب میں بھی لوک گیتوں کا کافی ذخیرہ موجود ہے جو مختلف اصناف پر مشتمل ہیں۔

(الف) لولی

لولی (لوری) مغربی اور مشرقی بلوچستان میں یکساں طور پر مقبول ہے۔ مغربی بلوچستان میں لولی کو ''نازینک'' بھی کہا جاتا ہے۔ بلوچی لولی میں عموماً بہادرانہ اور شجاعانہ جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔

(ب) سوت

بلوچی لوگ گیتوں کی مقبول ترین صنف ہے۔ اس میں مسرت و انبساط، رنج وغم اور ہجر و وصال جیسے جذبات و احساسات کا اظہار کیا جاتا ہے۔ مضامین اور طرزِ موسیقی کے تنوع اور گوناگوں خصوصیات کے باعث یہ صنف بلوچستان کے قریباً سبھی علاقوں میں یکساں طور پر مقبول اور مستعمل ہے۔

آ یارِ زبادافشاں
تو زیبِ خُراساں ہے
اس ہجر سے موت آساں
آ یارِ زبادافشاں

رکھوں تجھے پلکوں میں
اے نامۂ صددرماں
آ یارِ زبادافشاں

(ترجمہ: ع۔ سلامؔ عطا شاد)

(ج) سِپت:

بلوچستان کے ضلع مکران کا یہ مقبول لوک گیت ہے۔ اس میں عام طور پر حمدیہ، نعتیہ اور مناقب سے متعلق مضامین ادا کئے جاتے ہیں۔ بلوچ عورتیں اسے بچے کی پیدائش پر کئی کئی راتوں تک زچہ کے لئے گاتی ہیں۔

(د) زہیروک:

زہیروک کو زہیرگ یا زہیریگ بھی کہا جاتا ہے۔ زہیروک میں ہجر وفراق کے دکھ درد کے اظہار سمیت وصل کی خواہش کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ اس کے بول نہایت سریلے، پُر جوش اور پُر سوز ہوتے ہیں۔ زہیروک گیت ایک مخصوص طرزِ موسیقی کا حامل بھی ہے۔ اِسے عام طور پر عورتیں چکی پیستے وقت گاتی ہیں، جبکہ شُتر بان رات کو سفر کے دوران اِسے گنگناتے ہیں۔

دشتِ جہاں میں

تیری تمنا............روشن ستارا

تیرے غموں سے

ہم سوختہ جاں............اَے جانِ جاناں!

تیری جُدائی

قلب ونظر کی............مرگ وتباہی

دیوانگی ہے

تیرا بچھڑنا............دل کا اُجڑنا

تو بس رہی ہے

دل میں ہمارے............گیسو سنوارے　　　(ترجمہ: ع۔ سلامؔ عطا شاد)

(ہ) لاڑوگ:

لاڑوگ اور ''سوت'' میں بنیادی طور پر کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ ان میں ایک طرح کے جذبات واحساسات کا اظہار ہوتا ہے۔ لاڑوگ گیت 'لیلڑوے لیلڑوے لڑے لاڑے کے الفاظ سے شروع کیے جاتے ہیں اور ان الفاظ کی تکرار گیت میں برابر جاری رہتی ہے۔ اس لئے یہ صنف ''لاڑوگ'' کے نام سے مشہور ہے۔

اے گُلِ نو بہار آ بھی جا

اے دُرِ شاہوار آ بھی جا

لیلڑوے لیلڑوے لڑے لاڑے

آ مری حورِ عدنِ نخلستاں

تیری دوری بنی ہے دوزخ جاں

لیلڑوے لیلڑوے لڑے لاڑے

سرسے آنچل ذرا سرکا دے
ان گھنے گیسوؤں کو بکھرا دے

لیلڑوے لیلڑوے لڑے لاڑے

دل پریشاں بھری بہار میں ہے
زندگی تیرے انتظار میں ہے

لیلڑوے لیلڑوے لڑے لاڑے

(ترجمہ: ع۔ سلام، عطا شاد)

(و) ہالو:

ہالو کے گیت شادی بیاہ کے موقع پر گائے جاتے ہیں۔ اس میں عام طور پر دولہا اور دُلہن کی تعریف و توصیف کی جاتی ہے۔ لاڑوگ کے برعکس اس میں ''ہلو ہالو'' کی تکرار کی جاتی ہے۔

ہلو ہالو خوشی کے گیت گاؤ
مناؤ جشن، ناچو گنگناؤ

ہلو ہالو بنا ہے میر دولہا

بہت ہی دور سے آیا ہے بنّا
سبھی کی آنکھ کا تارا ہے بنّا

ہلو ہالو بنا ہے میر دولہا

سجا ہے پھول سے ملبوس کتنا
مقدر ناز کرتا ہے کسی کا

ہلو ہالو بنا ہے میر دولہا

(ترجمہ: ع۔ سلام، عطا شاد)

(ز) لیکو:

لیکو کو ''ڈ ئیکو'' بھی کہا جاتا ہے۔ ساربانوں اور چرواہوں کا یہ محبوب گیت خاران کے علاقے میں مقبول ہے۔ اس میں مسافرت کا کرب، رنج و مسرت اور ہجر و وصال کی عکاسی کی جاتی ہے۔ کہیں کہیں یہ صنف زہیروک سے بھی مماثل ہوتی ہے لیکن اس کی مخصوص دُھن اسے زہیروک سے علیحدہ کرتی ہے۔

بید کے سائے میں بیٹھا ہوں
پھر بھی اک تپتا صحرا ہوں
سانوری بیٹھی بول رہی ہے
کانوں میں رس گھول رہی ہے
دل ہے جیسے کھلا گلاب
بھیڑیں نہر پہ جھکی ہوئی ہیں
سانوریاں، مسرور تالیاں پیٹتے
گھروں سے نکلی ہیں

(ترجمہ: ع۔ سلام، عطا شاد)

(ح) ڈیہی:

ڈیہی بلوچستان کے مشرقی علاقوں کا مقبول لوک گیت ہے۔ عام تصور یہ ہے کہ ڈیہی ''ڈیہہ'' (وطن) سے مشتق ہے لیکن یہ صنف صرف وطن کے تذکرے تک محدود نہیں ہے بلکہ مضامین کے لحاظ سے یہ انتہائی متنوع لوک صنف ہے۔ اس میں پیار و محبت اور ہجر و وصال کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ فنی اعتبار سے ''ڈیہی'' بہت حد تک ہائیکو سے مشابہت و مماثلت رکھتا ہے۔

(ط) لیلڑی:

مشرقی بلوچستان کا مقبول ترین گیت ہے۔ لیلڑی کی تسمیہ پورے گیت میں لفظ لیلڑی کی تکرار ہے۔

چُپ چُپ کھڑی ہو — لیلڑی ءِ لا
ضو آنکھ کی ہو — لیلڑی ءِ لا
اب نہ رہا جائے — لیلڑی ءِ لا
تم سا نہ مل پائے — لیلڑی ءِ لا
آؤ چلی آؤ — لیلڑی ءِ لا
بس اب نہ ترساؤ — لیلڑی ءِ لا

(ترجمہ: ع۔ سلام، عطا شاد)

(ی) لیلیٰ مور:

وسطی بلوچستان میں یہ گیت نہایت ہی مقبول ہے۔ براہوئی اور بلوچی دونوں زبانوں میں اِسے گایا جاتا ہے۔اس میں ہرقسم کے خیالات واحساسات کا اظہار ہوتا ہے۔

(ک) موتک:

موتک کوموتیک اور مودگ بھی کہا جاتا ہے۔''موتک'' موت سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں سوگ' اس لئے اس میں مرنے والے کی موت کا ذکر اور رنج وغم کا اظہار کیا جاتا ہے۔ موتک کا آہنگ ''زہیروک'' سے مماثلت رکھتا ہے۔

اُوہے مِن باتوں گوں وتی بختءَ
زرتہ نصیبءَ ءُ قسمتءِ بہرا
بخت منی سیمرغءَ نہ ترینتہ
آخری مُلاءَ نہ ترینتہ
بختءَ منارا ہے نیم گورا دُروہ اِت
منی بخت چہ گور باسکءَ شکست وارتہ
اے چے نصیبیءُ قسمتی کارے

ترجمہ: میں بڑا بد بخت ہوں۔
میرے نصیب اور قسمت نے جو حصہ حاصل کیا
اُسے سیمرغ نے بھی نہیں بدلا
ملا نے بھی نہیں بدلا
بخت نے مجھے آدھی راہ میں دھوکہ دیا
میری چارپائی کی پٹی ٹوٹ گئی
ہائے رے نصیب' ہائے میری قسمت!

(ل) دستانگ:

اس کو دسانغ یا دستانہ بھی کہا جاتا ہے۔اسے بلوچی ساز ''نـــڑ'' (نے) پرگایا جاتا ہے۔ دستانہ طویل بھی ہوتا ہے اور مختصر بھی۔ مختصر اتنا کہ دومصرعوں پر بھی مشتمل ہوتا ہے اور طویل اتنا کہ سینکڑوں اشعار پر محیط ہوتا ہے۔ دستانہ میں زیادہ تر حسن وعشق اور ہجر ووصال کے موضوعات ہوتے ہیں اور کبھی کبھار تاریخی حالات و واقعات کو بھی اس میں بیان کیا جاتا ہے۔

5- خود آزمائی

1- قدیم بلوچی شاعری کی تاریخ اس طرح بیان کریں کہ اس میں تمام ادوار کا تذکرہ آ جائے؟

2- مست توکلی اور جام درک کی شاعری اور فنی محاسن کا جائزہ لیں؟

3- بلوچی لوک ادب کی مختلف اصناف پر روشنی ڈالیں؟

یونٹ نمبر 3

قدیم نثری ادب

(بلوچی)

تحریر: واحد بزدار
نظرِثانی: ایوب بلوچ

یونٹ کا تعارف

اس یونٹ کا تعلق بلوچی کے قدیم نثری ادب سے ہے۔ بلوچی نثر کی ابتدا اٹھارہویں صدی میں ہوئی' جب بلوچی ادب کو ضبطِ تحریر میں لانے کے لئے عربی اور فارسی رسم الخط کا استعمال کیا جانے لگا۔ اس یونٹ میں آپ اس زبان کے قدیم مخطوطات کے تعارف کے علاوہ ان کے نثری نمونوں کا اردو ترجمہ کے ساتھ مطالعہ کریں گے۔ قدیم بلوچی نثر کی تفہیم اور اس سے مکمل آگاہی کے لئے آپ اس یونٹ کا بغور مطالعہ کیجئے اور تفصیلی مطالعہ کے لئے امدادی کتب کو ضرور پیش نظر رکھئے۔

مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1- قدیم بلوچی نثری ادب کے آغاز وارتقا پر روشنی ڈال سکیں۔

2- اس زبان کے قدیم مخطوطات اوران کے موضوعات کے بارے میں تحریر کرسکیں۔

3- بلوچی کے قدیم نثر نگاروں کی کاوشوں پر بحث کرسکیں۔

4- قدیم بلوچی ادب کے نثری سرمائے اوراس کے اسلوب کا مطالعہ کرسکیں۔

5- بلوچی نثری داستانوں اور کہاوتوں کے بارے میں علم حاصل کرسکیں۔

فہرست

	یونٹ کا تعارف اور مقاصد	58
-1	قدیم نثری ادب	61
-1.1	کسّہ حال بلوچستان	61
-1.2	کسّہ حال بروہی (براہوئی)	62
-1.3	کسّہ تہولغ ءُ رو پہسبک	63
-1.4	سر ہیالیں مرد	64
-1.5	ہم چیزغ ء بج	64
-2	دینی ادب	66
-3	خود آزمائی	67

1-   قدیم نثری ادب

بلوچی نثر کی ابتدء اٹھارہویں صدی میں ہوئی۔ جب بلوچی ادب کوضبطِ تحریر میں لانے کے لئے عربی اور فارسی رسم الخط کا استعمال کیا جانے لگا۔ قلمی نثری مخطوطات کا قدیم ترین نمونہ ''ہوتمان کلمتی '' کا ہے۔جنہوں نے اسے 1763ء میں تحریر کیا۔ اس قلمی نسخہ میں تاریخی واقعات، رزمیہ داستانیں، بلوچی کہاوتیں اور کہانیاں شامل ہیں۔ رزمیہ داستانوں میں دوسرے جنگی واقعات کے علاوہ ساحلِ بلوچستان پر پرتگیزوں کے خلاف بلوچوں کی لڑائیوں کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

بلوچی نثری ادب کا دوسرا قدیم نسخہ ''کتاب لفظِ بلوچی'' ہے جسے کمالان گچکی نے 1872ء میں تحریر کیا۔ اس کے علاوہ برطانوی دور میں رومن رسم الخط میں لکھی ہوئی شائع شدہ وہ بلوچی کتب ہیں جو انگریزی سرکار نے اپنے اہل کاروں کو بلوچی زبان سے روشناس کرانے کی خاطر تحریر کرائی تھیں۔

رائے بہادر ہیتورام کی کتاب ''بلوچی نامہ 1872ء'' اور لانگ ورتھ ڈیمز کی کتاب "A Text Book of The Balochi Language 1922" اس سلسلے کی دو اہم کتابیں ہیں جن میں بلوچ قوم کے حالات و واقعات، نسلی تاریخ، تاریخی جنگی داستانیں اور لوک کہانیوں کو بالترتیب فارسی اور رومن رسم الخط میں تحریر کیا گیا ہے۔

''بلوچی نامہ'' اور "A Text Book of The Balochi Language" کے چند نثری نمونے ملاحظہ ہوں۔

1.1- بلوچی متن: "کِسّہ حال بلوچستان"

بلوچی اژسری روشاں زوراخ اثنت` ماں کتاب شاہنامہءِ شیئرایت

(فارسی) آمد خبر خدمتِ بادشاہ	کہ گشتہ زمیں از بلوچی سپاہ
(بلوچی) ڈاہ رستہ گوئر بادشاہءَ	کہ استیں ڈغا راژبلوچاں تباہ

آں ویلہا نوشیرواں بادشاہ اَستہ کہ دانکو دِہ آنہیءِ نام نروارءَ راگوں ما جہانءَ سہرائیں۔ بادشاہ وث چٹرسو بلوچاں گوں مِڑائی کُثہ۔ او بلوچاں را اژوثی ڈیہہءَ ریسنتو' کہشتہ۔ بلوچ اژ اوّل روشاں ماں نُغرءُ کوہستانءَ حلب' گرم سیل' سیستانءَ نشتغاثنت۔

حلبی زبان لافءَ نُغر نندوکاںءُ کوہستانی مڑداں را بلوچ گو شتغث۔ پھوانکہ اِے مردانی نام بلوچ بیثہ۔ داں نی دِہ بلوچاں گیشتر ماں کوہستانءُ نُغرءَ نند غایاں۔ اِے مڑداں ماں هماں روشاں کہ یزیدءَ اماماں گوں مڑائی کُثہ۔ وثی ڈیہہَ اشتو' اِنگو آختغنت''۔

(اقتباس از بلوچی نامہ)

اُردو ترجمہ: ''بلوچستان کی کہانی''

بلوچ شروع ہی سے بہت طاقتور تھے۔ جیسا کہ ابوالقاسم فردوسی کے ''شاہنامہ'' کا شعر ہے کہ بادشاہ کو یہ اطلاع دی گئی کہ بلوچوں نے ہر طرف یلغار کر رکھی ہے۔ اُس وقت نوشیرواں بادشاہ کی حکومت تھی اس کا نام اور عدل آج بھی ہم پر بخوبی واضح و عیاں ہے۔ بادشاہ نے بنفسِ نفیس بلوچوں پر چڑھائی کی اور بلوچوں کو علاقہ بدر کیا گیا۔

بلوچ ابتداء میں کوہستانی علاقوں حلب، گرم سیل، سیستان میں سکونت پذیر تھے۔ حلبی زبان میں بادیہ نشینوں اور کوہستانی علاقوں میں رہنے والوں کو ''بلوچ'' کہا جاتا ہے۔ اس لئے ان کا نام ''بلوچ'' پڑ گیا۔ آج بھی بلوچ زیادہ تر کوہستانی اور پہاڑی علاقوں میں گذر بسر کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے اُس وقت وہاں سے ہجرت کی اور یہاں آ کر آباد ہوئے۔ جب یزید نے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ لڑائی کی۔

1.2- بلوچی متن: کِسہ حال بروھی (براھوئی)

بروہی (براہوئی) حال اے رنگائیں کہ اے دہ بلوچ اَنت۔ پر اژ ''رندستان'' ءَ درائیں اے رنگا بلوچ تھی دِہ ماں ھواں بندءَ کہ اوّل ءَ ھمے آختغنت باز بیشنت۔ پچیکہ اژ ''شاہنامہ'' ھنچو سہرا بینغائیں کہ بلوچانی سکی ءَ مزیں لشکرے استہ۔ بروہی دہ پھیش ءَ ماں کوھستان ءَ نشتغا اَث۔

ماں جغدالی زوان ءَ ''روہی'' کوہستان ءَ راگشاں۔ پھو انکہ اے مڑدانی نام ''بروہی'' بیثہ ......! ''بروہی'' دِہ اژ حلب ءَ آختہ۔ آوقت ءَ کہ میر چاکر ءَ قلات گپتہ۔ بروہی ماں سیستان ءُ مکران ءُ آنہی ءِ شنگو شانگو دِہ است ثنت۔

(اقتباس از بلوچی نامہ)

اُردو ترجمہ: بروہی (براہوئی) کی کہانی

بروہی (براہوئی) کا واقعہ یوں ہے کہ یہ بھی بلوچ ہیں۔ مگر ''رند'' کے طائفہ سے نہیں ہیں اور بہت سے بلوچ بھی وہاں آ کر آباد ہوئے جہاں یہ لوگ آباد تھے کیونکہ ''شاہنامہ'' کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ بلوچ بہت بڑے لاؤلشکر کے مالک تھے۔ ''بروہی'' بھی پہلے کوہستان میں رہتے تھے۔ جدگالی زبان میں کوہستانی علاقے کو ''روہی'' کہا جاتا ہے۔ اس لئے ان لوگوں کا نام ''بروہی'' پڑ گیا۔ بروہی کا طائفہ بھی ''حلب'' سے آیا تھا۔ جس وقت میر چاکر رند نے قلات پر قبضہ کر لیا تو بروہی (براہوئی) (قلات کے علاوہ) سیستان اور مکران کے گردونواح میں بھی آباد تھے۔

1.3- بلوچی متن: کِسّہ تھولغ ءُ روپھسک

روشے تولغ کسی ہلک گوئراشُتہ۔ بینگ گل مُچ بیثو' آنہی ءَ پہ دیما تہختغنتہ۔ تولغ رُمبان ءَ رُمبان ءَ روپھسک گورا آختورستہ۔ روپھسک ءَ پھول کُثہ کہ او تولغ پچے ہمنکر تشانا آختغئے۔ تولغ ءَ گونشتہ کہ بینگ گل گو نشغائیں کہ مئے ڈیہہ ءَ حاکم بی۔ مئیں صلاح نہ ایں۔ پھوانکہ اژ آنہی ءَ گُڑ کثو آختغوں۔

روپھسک ءَ گونشتہ۔ گوں ماں نیکی کھننئے۔ ہمے حاکمی ءَ مناں گردئے۔ تولغ ءَ گونشتہ۔ تھو درا بُرو' گوں بینگ گل ءَ ٹونک توارءَ کھن۔ ماں گُشاں تھرا حاکم کھن اَنت۔ روپھسک دراشتہ۔ بینگ گل آختو آنہی ءَ را گپتو مڑ ثنت ورغءَ۔

روپھسک ءَ گریسہ ءُ دانہہ کُثہ۔ آنہی جن ماذغیں روپھسک ءَ اژ تولغ ءَ پھول کُثہ کہ روپھسک پچے گریغیں۔ آنہی ءَ گو نشتہ کہ لیکہ دئیغائیں۔ تولغ ءَ گونشتہ' ما پمیشیا حاکمی نہ کُثہ کہ بینگ گل پیش ءَ لیکہ گر غائیں۔ گڈا حاکمی دنیغائیں۔ بینگ گل ءَ روپھسک واڑتو وثی ہلک ءَ شُتغنت۔ گڈا تولغ وثی جند گپتوشُتہ ماں لذءَ۔ ماذغیں روپھسک ءَ را هموذا ایکھوا اشتہ۔

(اقتباس: از بلوچی نامہ)

اُردو ترجمہ: قِصّہ گیدڑ اور لومڑ

ایک مرتبہ ایک گیڈر کسی گاؤں کی طرف آ نکلا۔ کُتوں نے مل کر اُسے بھگایا۔ بھاگتے بھاگتے راستے میں گیدڑ کی ملاقات ایک لومڑ سے ہوئی۔ لومڑ نے اس سے بھاگنے کی وجہ دریافت کی تو گیڈر نے جواب میں کہا کہ کُتے چاہتے ہیں کہ میں ان کے علاقے کا حاکم بنوں لیکن میں نے انکار کر دیا ہے۔ اس لئے وہاں سے بھاگ کر آ رہا ہوں۔

لومڑ نے کہا اگر تم وہاں کی حاکمی مجھے لے کر دے دو تو مجھ پر تمہارا احسان ہوگا۔ گیڈر نے کہا کہ تم خود جا کر کُتوں سے بات کرو۔ میرا خیال ہے کہ وہ تمہیں اپنا حاکم بنا لیں گے۔ لومڑ چلا گیا۔ کُتوں نے مل کر اس پر چڑھائی کر دی' لومڑ نے بہت آہ وفغاں کی۔ لومڑی نے گیڈر سے دریافت کیا کہ لومڑ کیوں چلاّ رہا ہے؟ گیڈر نے کہا کہ وہ حساب دے رہا ہے اور میں اسی لئے ان کا حاکم نہیں بننا چاہتا تھا کہ کُتے پہلے احتساب کرتے ہیں پھر حاکمی عطا کرتے ہیں۔ آخر کار کتوں نے لومڑ کو کھا لیا۔ گیدڑ جنگل کی طرف لوٹ گیا جبکہ بیچاری لومڑی وہاں اکیلی رہ گئی۔

1.4- بلوچی متن: سرھیالیں مرد

بادشاہ ءَ پھول کُتھ۔ "دوازدہ (۱۲) کہ دو (۲) رؤث۔ گڈا چنکر سر کھیئث ؟" یہ مردے ءَ گوئشتہ کہ "دہ (۱۰) سر کھیئث"۔

تھی سرپدیں سرھیالیں مردے ءَ گوئشتہ کہ "دوازدہ (۱۲) کہ دو (۲) شتہ۔ گڈا ھچی نئیں' ساون' چیتر ءَ کہ ھورمہ گواریث' گڈا دوازدہ (۱۲) ھچ کار ءَ نئیں"

گڈا بادشاہ ءَ گوئشتہ۔ "تھؤ سرھیالئے' تھؤ منی وزیر بی"۔

(اقتباس از: اے ٹیکسٹ بک آف دی بلوچی لینگوئج)

اُردو ترجمہ: **عقل مند شخص**

ایک بادشاہ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ "بارہ میں سے اگر دو منہا کئے جائیں تو کیا بچتا ہے" ایک نے کہا کہ "دو بچتے ہیں" ایک اور عقل مند نے کہا کہ "اگر بارہ میں سے دو منہا کئے جائیں تو پھر کچھ نہیں بچتا کیونکہ ساون اور چیت کے مہینوں میں اگر بارش نہ ہو تو بارہ مہینے کسی کام کے نہیں رہتے"۔ بادشاہ نے اس سے کہا کہ "تم مجھے دانا اور زیرک شخص لگتے ہو' تم میرے وزیر بن جاؤ"

1.5- ہم چیزغ ءِ بج

بادشائے ءَ وزیر ءَ راحکم داتہ کہ "ھمچی بج ءَ مناں بیار دئے" وزیر تھر ثو آختہ لوغ ءَ مُونجھا بیثو نشتہ۔ "وزیر جنک ءَ اژوثی پھث ءَ پھول کُتھ "تؤ پرچے مونجھائے ؟"

پھث ءَ جواب داتہ۔ "مونجھا آں کہ بادشاہ ءَ حکم داتہ کہ ھم چیز غ ءِ بج ءَ روش ے ءِ اندرا مناں بیار دئے۔ نیں مناں ھمکر بج دست نہ کھفی"۔

جِنک ءَ گونشتہ۔ "تھؤ مونجھا مہ بی' بانگھو ءَ بج ءَ من ترادِیاں۔ تھؤ بہ وفسؔ"۔ وزیر شُتہ و پتہ' و ہاونئیث۔ دل نیا ما گنتری بازیں۔ کلئیں بانگھ ءَ ھمکر بج جنک مناں دات یا نہ دات ؟ شف روش بیثہ۔ بانگھوءَ جِنک ءَ یہ کدھے آف پُھر کھثوداتہ۔ وزیر ءَ زُڑتھو' بُڑتہ گوں بادشاہ ءَ' گونشتئی "بج ہمیش ایں"۔ بادشاہ ءَ گونشتہ' "تھؤبے شک سرھیالئے۔ کہ آف بی تہ بج کار ءَ استیں' آف مہ بی، بِج کا راچی نئیں"۔

(اقتباس از: اے ٹیکسٹ بک آف دی بلوچی لینگوئج)

اُردو ترجمہ: ہر جنس کا بیج

ایک بادشاہ نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ ''وہ کل تک ہر جنس کا بیج ان کی خدمت میں پیش کرے'' وزیر یہ سن کر پریشان ہوا اور گھر چلا گیا۔ وزیر کی بیٹی نے باپ کو پریشان دیکھ کر ان سے دریافت کی کہ ''وہ کیوں پریشان ہے؟'' باپ نے جواب دیا۔ ''میں اس لئے پریشان ہوں کہ بادشاہ نے کل تک مجھے ہر جنس کے بیج لانے کا حکم دیا ہے اور یہ میرے لئے ممکن نہیں'' بیٹی نے کہا کہ ''آپ کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ جا کر آرام کرلیں۔ کل تک میں سب انواع واقسام کے بیج لا دوں گی''۔

وزیر آرام کرنے کی خاطر لیٹ گیا لیکن اُسے نیند نہ آسکی۔ وہ دل میں سوچنے لگا کہ اس کی بیٹی کل تک اتنے ڈھیر سارے بیج کس طرح جمع کر سکے گی؟

صبح ہوئی تو بیٹی نے پانی کا ایک کٹورا بھر کر باپ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا کہ ''اسے بادشاہ سلامت کو پیش کریں اور کہیں کہ سب انواع واقسام کا بیج یہی پانی کا کٹورا ہے''۔

وزیر نے جا کر پانی کا کٹورا بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا کہ ''یہ لو سب انواع واقسام کا بیج'' بادشاہ نے کہا کہ ''واقعی تم بہت لائق اور دانا شخص ہو کیونکہ اگر پانی میسر ہو تو تبھی بیج کام آسکتا ہے، وگرنہ نہیں''۔

2- دینی ادب

بلوچی نثر کا ایک اہم ذخیرہ دینی اور مذہبی لٹریچر پر مشتمل ہے جسے عیسائیت کی بڑھتی ہوئی یلغار کو روکنے کے سلسلے میں تخلیق کیا گیا۔ عیسائیت کی تبلیغ اور پرچار کے لئے سب سے پہلے 1815ء میں اور اس کے بعد ایک عیسائی پادری آر۔ اے لیوز نے 1884ء میں ''انجیل'' کا بلوچی زبان میں ترجمہ کیا۔ 1899ء میں ٹی جے ایل میئر اور 1917ء میں بائبل سوسائٹی پنجاب نے ''یوحنا'' کا بلوچی زبان میں ترجمہ کیا۔ اس یلغار کو روکنے کے لئے 1876ء میں مولوی محمد فاضل اور مولوی عبدالکریم نے ''ڈھاڈر'' کے مقام پر ''دُرخانی مدرسہ'' قائم کیا۔

''دبستانِ درخانی'' کے علماء نے مجموعی طور پر تین سو انتالیس کے قریب دینی کتب شائع کیں جن میں 91 کتب بلوچی اور دو سو کے قریب براہوئی اور دیگر سندھی اور اردو میں تھیں۔ چند اہم بلوچی کتابوں کے نام یہ ہیں۔

(۱)	شروط الصلوٰۃ	(۲)	ھدایات ابدی
(۳)	شمائل شریف بلوچی	(۴)	حکایاتِ عجیبہ
(۵)	قدوری مترجم	(۶)	نادر المواعظ
(۷)	حکایات الصادقین	(۸)	ناصح البلوچ
(۹)	روضۃ الاحباب	(۱۰)	شش کتاب
(۱۱)	خلاصہ کیدانی	(۱۲)	فقہ اکبر وصیت نامہ
(۱۳)	منیھۃ المصلی	(۱۴)	خطبۂ جمعہ عید الفطر و عید الضحیٰ

یہ کتابیں دیپک راجپوت پرنٹنگ ورکس لاہور اور اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور سے شائع ہوئیں اس کے علاوہ مولوی حضور بخش جتوئی نے 1326 ہجری میں پہلی مرتبہ قرآن پاک کا بلوچی زبان میں ترجمہ کیا۔ علماء کی یہ کاوشیں تسلسل کے ساتھ جاری رہیں اور انہی کاوشوں کی بدولت بلوچی ادب میں نثر نگاری کی ایک مستحکم روایت قائم ہوئی۔

دینی ادب سے ہٹ کر بلوچستان میں بلوچی نثر کی پیش رفت کے سلسلے میں یہاں کے رسائل و جرائد نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ ان جرائد میں ''بولان''، ''بلوچستان جدید'' اور ''نوائے وطن'' کے نام قابل ذکر ہیں۔

3- خود آزمائی

-1 قدیم بلوچی نثری ادب کے آغاز وارتقا پر بحث کیجئے؟

-2 ''بلوچی نامہ'' کے اقتباسات بعنوان ''بلوچستان کی کہانی'' اور ''بروہی (براہوئی) کہانی'' سے آپ بلوچ اور براہوئی قوم کے متعلق کیا نتائج اخذ کرتے ہیں؟

-3 قدیم بلوچی نثر کا ایک اہم حصہ دینی اور مذہبی لٹریچر پر مبنی ہے، بحث کیجئے؟

یونٹ نمبر 4

جدید شعری ادب

(بلوچی)

تحریر: واحد بزدار
نظرثانی: ایوب بلوچ

یونٹ کا تعارف

مطالعاتی رہنما کے اس یونٹ کا موضوع بلوچی کا ''جدید شعری ادب'' ہے۔ جدید بلوچی شاعری کا تشکیلی عہد قیام پاکستان سے چند سال پہلے کا وہ زمانہ ہے' جب سیاسی آزادی کی تحریکات کے زیر اثر پورے ہندوستان میں انگریزی استعماریت کے خلاف زبردست جدوجہد ہو رہی تھی لیکن جدید بلوچی شاعری کا باقاعدہ آغاز قیام پاکستان کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اس یونٹ میں آپ قیام پاکستان سے لے کر اب تک فکری اور فنی اعتبار سے بلوچی شاعری کے مزاج' اہم شعراء عہد بہ عہد تبدیلی اور ارتقا کا مطالعہ کریں گے اور ساتھ ہی ساتھ ان عوامل کا بھی مطالعہ کریں گے جن کے طفیل بلوچی شاعری ایک نئی سوچ اور فکر سے ہمکنار ہوئی۔ آپ اس یونٹ کا بغور مطالعہ کیجئے اور مجوزہ امدادی کتب کو بھی پیش نظر رکھئے۔

مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1- قیام پاکستان کے بعد جدید بلوچی شاعری کے نمایاں فکری وفنی رجحانات کا جائزہ لے سکیں۔

2- تحاریک آزادی کے زیر اثر بلوچی شاعری میں موضوعاتی، فکری اور فنی تبدیلیوں کا ادراک کر سکیں۔

3- بلوچی شاعری کے فروغ کے ضمن میں چند نمایاں شعرا کے فنِ سخن کا جائزہ لے سکیں۔

4- جدید بلوچی شاعری کے بارے میں مجموعی طور پر آگاہ ہو سکیں اور تحریر کر سکیں۔

فہرست

	یونٹ کا تعارف اور مقاصد	70
-1	جدید شعری ادب	73
-2	دور جدید کے نمائندہ شعراء	74
-2.1	میر گل خان نصیر	74
-2.2	آزات جمالدینی	78
-2.3	سید ظہور شاہ ہاشمی	79
-2.4	مراد ساحر	81
-2.5	اکبر بارکزئی	81
-2.6	عطا شاد	82
-2.7	بشیر بیدار	83
-2.8	اللہ بشک بزدار	83
-3	خود آزمائی	84

1-   جدید شعری ادب

جدید بلوچی شاعری کا تشکیلی عہد قیام پاکستان سے چند سال پہلے کا وہ زمانہ ہے۔ جب سیاسی آزادی کی تحریکات کے زیراثر پورے ہندوستان میں انگریزی استعماریت کے خلاف زبردست جدوجہد ہو رہی تھی۔ انہی تحریکوں کے اثرات نے بلوچستان کے عوام میں سیاسی اور سماجی بیداری کی لہر پیدا کی۔ بلوچ عوام میں اتحاد و اتفاق اور یک جہتی پیدا کرنے کی خاطر سب سے پہلے میر یوسف عزیز مگسی نے اپنی سیاسی سرگرمیوں اور جدوجہد کو بڑھاوا دینے کی خاطر اردو شاعری کو اپنے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ میر یوسف عزیز مگسی کی شاعری سے متاثر ہونے کے سبب میر گل خان نصیر نے بھی بلوچ عوام میں اپنے سیاسی نظریات و مقاصد کے نفوذ کے سلسلے میں پہلے اردو شاعری سے کام لیا لیکن بعد ازاں 1946ء میں بلوچستان کے عوام کی زبان بلوچی ہی میں شاعری کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان کی بلوچی شاعری جلد ہی عوام میں مقبول ہوگئی۔ میر گل خان نصیر کی اس پذیرائی کے باعث اس وقت کے ایک اہم سیاسی رہنما میر محمد حسین عنقا نے بھی اردو شاعری کو خیر باد کہہ کر بلوچی میں شاعری شروع کی۔ اس طرح قیام پاکستان تک متعدد بلوچ سیاسی اور سماجی رہنما ''موومنٹ'' کے شاعر کی حیثیت سے اپنی سیاسی سرگرمیوں کو تقویت دینے کی خاطر نہ صرف بلوچی شاعری کو ایک مؤثر ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے رہے بلکہ اظہار بیان کے لئے نئے سانچے اور زاویے بھی متعارف کراتے رہے۔

سیاسی مقاصد کے زیراثر میر گل خان نصیر اور اس دور کے دوسرے ہم عصر بلوچ شعراء نے بلوچ عوام کے جذبہ حریت کو ابھارنے اور انہیں خواب غفلت سے بیدار کرنے کی شعوری کوشش کی جس سے اس ابتدائی دور کی پوری شاعری میں ایک اصلاحانہ اور خطیبانہ رنگ ابھرا۔

قیام پاکستان کے بعد جدید بلوچی شاعری میں نظم، آزاد نظم اور غزل کے رجحانات نمایاں طور پر سامنے آئے۔ جدید بلوچی شاعری میں جدید نظم کی روایت کو فروغ دینے میں ابتدائی دور کے شعراء میں میر گل خان نصیر، محمد حسین عنقا، آزات جمالدینی، اکبر بارکزئی، عطاء شاد، مراد آوارانی، آدم حقانی، اسحٰق شمیم، جمعہ کلانچی، میر عیسیٰ قومی، ملک طوقی، اشرف سربازی، کریم دشتی اور ہاشم شاکر کے نام نمایاں ہیں جبکہ غزل کے حوالے سے ملنگ شاہ ہاشمی، سید ظہور شاہ ہاشمی، عبدالحکیم حقگو، دوست محمد بیکس، اسحٰق شمیم، قاضی عبدالرحیم صابر، مراد ساحر، احمد زہیر، احمد جگر اور ملک محمد رمضان کے نام قابل ذکر ہیں۔

پاکستان کے قیام سے لے کر اب تک کے اس درمیانی عرصہ میں فکری اور فنی اعتبار سے بلوچی شاعری کے مزاج میں بڑی وسعت اور کشادگی پیدا ہوئی۔ ماضی کے پس ماندہ اور گھٹے ہوئے معاشرتی ماحول کے برعکس جدید علوم اور وسیع و وقیع تجربہ و مشاہدات کے طفیل بلوچی شاعری ایک نئی سوچ اور فکر سے ہمکنار ہوئی۔ بلوچی شاعری کا یہ ارتقائی سفر مختلف ماحول اور حالات کے زیراثر مختلف مراحل سے گزرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ انہی فکری اور تخلیقی کروٹوں کے پس منظر میں بلوچ معاشرہ کی عہد بہ عہد اور لمحہ بہ لمحہ تاریخ کو بخوبی دیکھا اور پرکھا جا سکتا ہے۔

2- دور جدید کے نمائندہ شعراء

جدید بلوچی شاعری کا باقاعدہ آغاز قیام پاکستان کے بعد ہی ہوتا ہے۔اس دور میں بلوچی شعراء نے غزل،نظم اور آزاد نظم و دیگر شعری اصناف میں طبع آزمائی کی۔ان نمائندہ شعراء نے جدید بلوچی شاعری کے فروغ میں بھی اہم کردار ادا کیا۔

2.1- میر گل خان نصیر

میر گل خان نصیر اپنے عہد کے ایک بلند پایہ دانشور، مؤرخ، محقق، سیاست کار اور ادیب ہی نہیں بلکہ اپنے عہد کے ایک قد آور شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ جدید بلوچی ادب کی تشکیل اور ارتقاء میں اپنی کاوشوں کے اعتبار سے منفرد مقام و مرتبت کے مالک بھی ہیں۔

میر گل خان نصیر کی تمام تر شاعری امن، انصاف، خوشحالی اور عوام دوستی اور محبت سے عبارت ہے۔وہ طبقاتی اور استحصالی قوتوں کے خلاف تھے۔انہوں نے ایک ایسے دور میں سرداری اور قبائلی نظام کے خلاف اپنی جدوجہد کا آغاز کیا جب یہ نظام انتہائی جوبن پر تھا لیکن انہوں نے نتائج کی پرواہ کیے بغیر سرداروں اور استحصالی قوتوں کے خلاف برملا اپنی نفرت کا اظہار کیا۔

نصیر کی شاعری کے مخاطب عوام ہیں۔انہوں نے نہ صرف بحیثیت ایک قومی شاعر عوام کی امنگوں اور آرزوؤں کی ترجمانی کی بلکہ عوام کے ساتھ اپنی والہانہ محبت اور عملی وابستگی کا بھرپور مظاہرہ بھی کیا۔تخلیقی سطح پر وطن اور اس کے مظاہر سے رومانس (Romance) جہاں ایک طرف میر گل خان نصیر کے فن کا مرکزی نقطہ اور نظریہ تھا، تو دوسری طرف عملی سطح پر ان کی پوری زندگی اسی رومانس کو نباہنے اور سلجھانے میں گذری۔وطن اور عوام سے محبت کے باعث وہ اپنی زندگی ہی میں "Legend" بن گئے تھے۔اگر اس "Legend" کو دیوتا کہا جائے تو بھی مبالغہ آرائی نہیں ہوگی کیونکہ عوام سے بے پناہ محبت، غیر متزلزل یقین اور انتھک جدوجہد کی بدولت وہ ایک بے مثال دیومالائی کردار میں ڈھلتے نظر آتے ہیں۔

''حصار زنداں''

یہ سر بفلک قلعے، یہ سنگ و آہن کی دیواریں
تنگ و تاریک دیوار و در اور یہ کھنکتی زنجیریں
فکر انسان کو پابہ جولاں نہیں کر سکتیں
ہر عہد میں آمروں و فرعونوں نے
قدم قدم پر قتل گاہیں اور زنداں بنائے تھے
مگر سچ کی گواہی دینے والوں نے

حرمت لفظ کے پاسداروں نے
فصیل جسم پر زنجیریں سجا کر
قتل گاہوں کو روند ڈالا تھا
شعور تو روشنی ہے
جسے پس زنداں نہیں کیا جا سکتا
یہ امید کی وہ کرن ہے
جو شکستہ دلوں اور خستہ جانوں کے حوصلے بڑھاتا ہے
یہ سچ ہے کہ موت کے سوداگروں اور لہو فروشوں نے
جابروں آمروں اور اپنے عہد کے خداؤں نے
اپنی جھوٹی جاہ و حشم کے بل بوتے پر
سروں کے مینار سجائے تھے
جمہور پر ستم کے پہاڑ ڈھائے تھے
مگر حریت فکر کو قتل نہیں کیا جا سکتا
شعور کو سرنگوں نہیں کیا جا سکتا　　　　(ترجمہ: واحد بُزدار)

بلوچی زبان میں ''گلبانگ'' کے نام سے ان کا پہلا مجموعۂ کلام 1951ء میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ ''شپ گروک''، ''دوستین و شیرین''، ''حمل جیئند''، ''گرند''، ''پرنگ''، ''ھون ءِ گوانک''، ''گلگال''، ''ھپت ھیکل'' کے نام سے ان کے شعری مجموعے شائع ہوئے۔ اردو میں بھی متعدد کتابیں تالیف کیں۔ ''کوچ اور بلوچ'' اور ''بلوچستان قدیم اور جدید تاریخ کی روشنی میں'' کے علاوہ دو جلدوں میں ''تاریخ بلوچستان'' بھی تحریر کی۔ قدیم بلوچی شاعری کے حوالے سے ان کی تین کتابیں ''بلوچستان کی کہانی شاعروں کی زبانی''، ''رزمیہ شاعری'' اور ''عشقیہ شاعری'' بلوچی اکیڈمی کوئٹہ نے شائع کیں۔ اس کے علاوہ میر گل خان نصیر نے فیض احمد فیض کے شعری مجموعہ ''سرِ وادی ءِ سینا'' اور ''شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ'' کے کچھ کلام کا ترجمہ بالترتیب ''سینائی کیچگ'' اور ''شاہ لطیف گشیت'' کے نام سے کیا۔

میر گل خان نصیر کا عہد چونکہ سماجی اور سیاسی تحرک کی ابتدا کا دور تھا۔ اس لئے اس دور میں، وطن دوستی اور عوام دوستی کی تحریک کے زیر اثر شاعری کو وطن اور اس کے مظاہر سے قریب تر کرنے کا ایک شعوری رجحان سامنے آیا تھا۔ میر نصیر نے اپنی شاعری

کے ذریعے بلوچ عوام کو جگانے اور ان میں قومی اور تاریخی شعور پیدا کرنے اور ایک خوشحال معاشرے کی تشکیل وتعمیر کے سلسلے میں بلوچ قوم کے مجموعی روایتی کردار کو صیقل کرنے کے ساتھ ساتھ ترقی پذیر رجحانات ومیلانات کو اپنانے کی ترغیب دی۔

نوجواں، اٹھ نوجواں، اٹھ نوجواں!
کب تلک خواب گراں کی مستیاں

وہ چڑھا سورج سویرا ہو گیا
ایک اک ساتھی تمہارا چل دیا

چھوڑ ہی جائے نہ تجھ کو کارواں
نوجواں، اٹھ نوجواں، اٹھ نوجواں!

کس کمر، ہمت نہ ہار اور تیز چل
رکھ قدم مردانہ وار اور تیز چل

قافلے اوروں کے جا پہنچے کہاں
تیز جیسے سنسناتی آندھیاں

بن نہ ہمسایوں کی گرد کارواں
نوجواں، اٹھ نوجواں، اٹھ نوجواں!

میر نصیر نے ایک بلندتر اخلاقی سطح سے بلوچ عوام کو مخاطب کر کے ان میں اتحاد اور یک جہتی پیدا کرنے کی کوشش کی جس سے ان کی شاعری میں داخلی احساسات کی بجائے سماجی اور قومی رخ ایک توانا مظہر کے طور پر سامنے آیا۔ میر نصیر کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ بلوچ عوام، سرداروں، نوابوں کی غلامی، غربت، جہالت اور نا اتفاقی کی دلدل سے نکل کر اپنے اندر ایک باوقار قوم ہونے کا شعور پیدا کر لیں کیونکہ بلوچستان میں سرداروں اور میر ومعتبروں کا ٹولہ مراعات و وظائف سے فیض یاب ہو رہا تھا جبکہ بلوچستان کے مفلوک الحال عوام غربت اور جہالت کی زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ اس صورتحال میں یہ ناگزیر ہو گیا تھا کہ کوئی ایسی توانا اور طاقت ور آواز ابھر کر سامنے آئے جو عوام کو ایک نیا ولولہ اور جذبہ عطا کرے۔

میر نصیر نے اپنے فکر وعمل کے ذریعے یہ فریضہ نہایت ہی خوش اسلوبی سے سرانجام دیا۔ انہوں نے اپنے عہد کے تقاضوں اور وقت کے بدلتے رویوں کو سامنے رکھتے ہوئے بلوچی شاعری کو یوٹوپیائی تصورات کی تنگنائے سے نکال کر ایک نئی شعری روایت کا احیاء کیا۔

میرے ہاتھوں میں امانت یہ قلم
حسن اور عشق کے قصوں کا روادار نہیں
دولت و شہرت و منصب اسے درکار نہیں
میں کہ شاعر ہوں مگر میرا ہنر' میرا سخن
اک نئے طرز کا' آدرش کا آئینہ ہے
میرا ہنسنا میرا رونا ہے انہیں کی خاطر

(ترجمہ: امداد نظامی)

میر گل خان نصیر کی ایک طویل نظم ''کوہ چلتن سے خطاب'' کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ اس نظم کی ابتداء ابر گوہر آفریں کی قدرتی منظر کشی سے ہوتی ہے اور ہوتے ہوتے ابر رواں زندگی کی علامت بن جاتا ہے۔ شاعر زندگی کے مسائل اس میں چھیڑ دیتا ہے۔ یہ نظم شاعر کے توانا ارادوں پر تمام ہوتی ہے اور کوہ چلتن زندگی' طاقت اور نور کا نشان بن جاتا ہے۔

گاہے گاہے جی میں آتا ہے خیال
کاش مانند عقاب
مجھ میں آ جاتی اگر اڑنے کی تاب
آج میں پرواز کرتا بادل پر اضطراب
جلوہ گر ہوتا تیری چوٹی پہ مثل ماہتاب
دیکھتا شاداب و سیراب و حسیں
وہ بلوچوں کی مقدس سرزمیں
حاکموں کے ظلم اور جبر و ستم
خون بہتا یم بہ یم
گولیوں کی بارشوں کے پیچ و خم
سرفروشوں کی شجاعت بزدلوں کے اشک غم
میں کہ سنتا اپنے گوش و ہوش سے
داد و تحسین و ستائش سرفروشوں کے لئے
طعن و تشنیع و ملامت بزدلوں کے واسطے

دیکھتا میں دیدہءِ خوں بار سے
لوٹ استبداد وظلم وشورش وجنگ وجدل

(ترجمہ: انور احسن صدیقی)

2.2- آزات جمالدینی

آزات جمالدینی نئی شاعری کے اولین معماروں میں سے ہیں۔ انہوں نے جدید بلوچی ادب کی بنیاد ڈال کر بلوچی شاعری کو ایک ایسا لازوال آہنگ عطا کیا جو آج ہمارے عہد کی ایک زندہءِ جاوید علامت اور روایت بن چکی ہے۔ آزات جمالدینی کو اگر جدید شاعری کا امام اور بابائے بلوچی تسلیم کیا جائے تو یہ بات بے محل نہ ہوگی۔ آزات جمالدینی کی شاعری اپنے عہد کے موضوعات سے ہم آہنگ ہونے کے باوجود نظم کی تحریک میں سب سے الگ اسلوب اور لہجہ رکھتی ہے کیونکہ انہوں نے خارجی زندگی کے اظہار کے ساتھ ساتھ داخلی احساسات کو بھی نظم میں جگہ دے کر اسے ایک نئی فنی اور معنوی دبازت عطا کی۔ وضاحت وصراحت' بلند آہنگی اور مقصدیت کے جوش کے برعکس انہوں نے اپنے فن میں علامتی اور استعاراتی پیرایہ اظہار اختیار کیا۔

آزات جمالدینی کی پوری شاعری ایک ایسے دردمند دل کی پکار ہے جو وہ اپنے ماحول اور اپنے گردوپیش کی زبوں حالی' غربت' افلاس' جہالت اور پس ماندگی کو دیکھ کر بے اختیار تڑپ اٹھتا ہے۔ اس کے اندر کا کرب اور سوا ہوتا ہے۔ ان کا دکھ پورے معاشرہ کا دکھ ہے۔ ان کا کرب پورے عالم کا کرب ہے۔ گو کہ آزات جمالدینی خود بھی ساری زندگی غم دوراں اور غم روزگار کی تلخیوں کا شکار رہے لیکن ان کی شاعری میں کہیں بھی اپنی ذات کے حوالے سے زمانے کی سختیوں اور تلخیوں کا گلہ نہیں ملتا۔ وہ جب بھی بات کرتے ہیں ان کا فکری دائرہ اور ان کی سوچ کا تانا بانا پوری انسانیت کا احاطہ کرتا ہے۔ ان کی شاعری میں ایک امید اور ایک یقین ہے۔ وہ کبھی مایوس نہیں ہوتے۔ زمانے کی تلخیوں اور سختیوں سے خوف زدہ نہیں ہوتے اور ہمیشہ جدوجہد کی بات کرتے نظر آتے ہیں۔

''مستیں توار'' ان کے پہلے مجموعے کا نام ہے جو 1953ء میں انجم قزلباش کے اردو ترجمے کے ساتھ چھپا۔ بعد ازاں ان کے اس مجموعے کی نظموں کو دیگر منظومات کے ساتھ ملا کر ''رژن'' کے نام سے ان کا دیوان آزات جمالدینی اکیڈمی نے شائع کیا۔

''مستیں توار'' آزات جمالدینی کی ابتدائی شاعری تھی اور اپنے عہد کے غالب طرزِ احساس سے ہم آہنگ ہونے کے باوجود نسبتاً ایک نئے ذائقہ کی حامل تھی لیکن آزات جمالدینی اپنی شاعری کے سفر میں برابر ذہنی اور فکری ارتقا سے گذرتے رہے اور آنے والے ادوار میں ایک رجحان ساز شاعر کے طور پر بلوچی شاعری میں اپنے مستقل اثرات مرتب کرنے میں کامیاب رہے۔

''رژن 1985ء'' میں ''مستیں توار'' کی بلند آہنگی اور مقصدیت کے جوش کے برعکس ایک علامتی اور استعاراتی پیرایہ

اظہار ملتا ہے۔ ''رژن'' کی چند ایک نظموں کو چھوڑ کر باقی شاعری میں انہوں نے اپنے فن کی بنیاد وضاحت وصراحت کی بجائے رمزیت اور اشاریت پر قائم کی اور اجتماعی احساس کو بھی انفرادی احساس اور ذاتی وژن کی روشنی میں پیش کیا۔

آزات جمالدینی بنیادی طور پر ایک انسان دوست شاعر تھے۔ غریب اور محنت کش عوام سے انہیں محبت تھی۔ وہ ہر قسم کے ظلم و جبر' عدم مساوات اور استحصال کے خلاف تھے۔ انہوں نے ہمیشہ معاشرے کے پسے ہوئے اور مظلوم عوام کی حمایت میں آواز اٹھائی۔ اس سلسلے میں ان کی نظم ''مزدور سے خطاب'' سے چند اشعار کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

ترا خون بادۂ ناب ہے
ترا گوشت مثلِ کباب ہے
جو ستم گروں کے شکم بھرے
ترا خالی پیٹ مگر کبھی
نہ بھرے' نہ ان کو دکھائی دے

(ترجمہ: امداد نظامی)

آزات جمالدینی جنگ و جدل سے شدید نفرت کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ جنگ مشرق میں ہو یا مغرب میں، انسان اور انسانیت کی تباہی و بربادی کی علامت ہے۔ وہ اپنی نظم ''ما امن لوٹیں'' (ہم امن چاہتے ہیں) میں کہتے ہیں کہ:

معبود نے بھی مقدس قرآن میں
امن کی بے انتہا تعریف کی ہے
اور اسی لئے ہم بلوچ بھی
جنگ سے نفرت کا اعلان کرتے ہیں
کیونکہ ہم انسان ہیں اور
دائمی امن کے خواہاں ہیں

(ترجمہ: انجم قزلباش)

2.3- سید ظہور شاہ ہاشمی

میر گل خان نصیر کی طرح سید ظہور شاہ ہاشمی بھی ایک ہمہ گیر اور انتھک شخصیت کے طور پر جانے اور پہچانے جاتے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ بلوچی زبان وادب کی آبیاری اور فروغ وترقی میں گزار دیا۔ بلوچی شاعری ہو یا افسانہ' ناول ہو یا

انشائیہ، بلوچی زبان پر تحقیقی کام ہو یا بلوچی گرامر اور لسانیات کی بات ہو، سید ظہور شاہ ہاشمی ادب کے ہر مورچے میں ایک جنگجو ادیب کی طرح کھڑے نظر آتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے' ایک تحریک تھے۔ وہ انتہائی بے سروسامانی کے باوجود اپنی زندگی کی آخری سانس تک بلوچی ادب کے ہر محاذ پر ڈٹے رہے۔ شاعری کے حوالے سے وہ سب سے جدا اور منفرد اسلوب کے مالک ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری میں شعوری طور پر خالص بلوچی الفاظ و تراکیب اور تشبیہات و استعارات سے کام لیا جس سے ان کی شاعری کی زبان کسی حد تک مشکل اور سپاٹ نظر آتی ہے لیکن ان گی اس مشکل پسندی کے باوجود ان کی شاعری کو پذیرائی حاصل ہوئی۔

متعدد کتابوں کے مصنف و مؤلف ہیں۔ پانچ شعری مجموعے "انگرو ترونگل"، "سچکا نیں سسا"، "شکلیں شھجو"، "برتکگیں بیر" اور "تراپکنیں ترمپ" شائع ہو چکے ہیں۔ سید ہاشمی نے نظمیں بھی لکھیں۔ لیکن وہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ غزل کی آبیاری اور ترقی و ترویج میں ان کا عمل دخل اور حصہ سب سے زیادہ اور نمایاں ہے اور بجا طور پر ان کی غزل بلوچی شاعری کی تاریخ میں ایک نئے موڑ کا درجہ رکھتی ہے۔

سید ہاشمی کی غزل کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے کلاسیکی لسانی روایت اور نئے تقاضوں کو اس طرح سے ہم آہنگ کیا کہ ایک طرف زبان و بیان اور دوسری طرف فکر و خیال کے کینوس میں وسعت اور کشادگی پیدا ہوئی۔

سید ظہور شاہ ہاشمی کے کلام کا نمونہ ملاحظہ ہو:

مشک و عنبر سے مہکتی ہوئی زلفوں کی یاد
دل ویران کو آباد کیا کرتی ہے!
میری محبوب غزالہ تری جلوہ ریزی
دہر کے حسن کو بھی ماند کیا کرتی ہے
یاد میں جب تری دل زار ہوا کرتا ہے
خود بخود مائل اشعار ہوا کرتا ہے
آرزو ہے کہ تجھے آج بناؤں ساجن
دست نازک میں ترے پیار سے باندھوں کنگن
میری ہانل! تیرے ہاتھوں میں لگاؤں مہندی
خون دل خون جگر بھر کے رچاؤں مہندی

(ترجمہ: عبدالرحیم ظفر)

بلوچی کے اس مایہ ناز شاعر و ادیب کا انتقال 1977ء میں ہوا۔ بعد از وفات، حکومت پاکستان کی جانب سے مارچ 2003ء میں ان کی ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر انہیں "تمغہ برائے حسن کارکردگی" دیا گیا۔

2.4- مراد ساحر

بلوچی غزل کے حوالے سے مراد ساحر کا نام ایک ایسا معتبر اور منفرد حوالہ ہے جنہوں نے بلوچی غزل کو نہ صرف موضوع اور مواد کے اعتبار سے ایک نیا لہجہ اور نیا رنگ ڈھنگ عطا کیا بلکہ غزل کو بلوچی شعری مزاج اور زمین میں اس طرح پیوست کر دیا جیسے یہ صدیوں سے بلوچی شعری روایت کا ورثہ چلا آ رہا ہو۔

مراد ساحر کی غزل کا موضوعاتی اور فکری دائرہ بہت وسیع ہے۔ وہ چالیس (40) سال تک بڑے تسلسل اور تواتر کے ساتھ غزل کہتے رہے۔ ستمبر 1998 کو ان کی وفات تک ان کے تین شعری مجموعے "پاہار"، "چھال" اور "زرءِ مروارد" منظر عام پر آ چکے تھے لیکن وہ اپنے تخلیقی سفر میں نہ کسی جمود کا شکار رہے اور نہ ہی یکسانیت ان کے فکر و فن پر غلبہ پا سکی۔ انہوں نے ہمیشہ نئی حسیت کے ساتھ ہر حادثہ اور ہر منظر کو اپنی غزل میں جگہ دی جس سے ان کی غزل میں اپنے عہد کی پوری تاریخ سمٹتی ہوئی نظر آتی ہے۔

خالص بلوچی تشبیہات و استعارات اور الفاظ و تراکیب کے برتنے کے سبب ان کے ہاں غزل ایک نیا موڑ لیتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اردگرد پھیلے ہوئے سیاسی اور سماجی موضوعات کے اظہار کے لئے روزمرہ کی زبان استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ وہ پرانے الفاظ اور علامتوں کو نیا مفہوم اور نیا رنگ و ڈھنگ دینے کی فنکارانہ صلاحیت رکھتے تھے۔

2.5- اکبر بارکزئی

دنیا بھر کی تخلیق کی جانے والی ہم عصر شاعری اور عالمی ادبی رجحانات سے باخبر ہونے کے ساتھ ساتھ اکبر بارکزئی ایک گہری بصیرت اور ادراک رکھنے والے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری کی مختلف سطحیں اور پرتیں ہیں۔ باریک بینی سے اگر ان پرتوں اور سطحوں کو دیکھا اور کھنگالا جائے تو تخلیقی طور پر بظاہر الگ تھلگ اور جدا ہونے کے باوجود فکری سطح پر ہر سطح دوسری سطح سے مربوط اور جڑی ہوئی نظر آتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کی شاعری کی یہ مختلف سطحیں ان کے فکری ارتقاء کی وہ منزلیں ہیں جہاں وہ ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف گامزن ہوتا نظر آتے ہیں۔ جدید شاعری کے حوالے سے بلوچی شاعری کے عمومی مزاج میں جو عنصر سب سے اہم اور نمایاں ہے وہ عوام دوستی اور وطن دوستی ہے۔ وطن اور اس کے مظاہر سے محبت جدید بلوچی شاعری کا وہ مشترکہ جذبہ ہے جو تمام بلوچ شعراء کے ہاں یکساں طور پر نمایاں ہے لیکن اکبر بارکزئی کی شاعری محض بلوچ معاشرے تک محدود نہیں بلکہ اس کی فکری حدیں تمام بنی نوع انسان تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس اعلیٰ و ارفع فکری وابستگی کے باعث وہ پوری بنی نوع انسان کا شاعر بن کر سامنے آتا ہے۔

2.6- عطا شاد

جدید بلوچی شاعری میں غزل اور نظم کی روایت کو پروان چڑھانے اور انہیں ایک توانا صنف بنانے میں عطا شاد کو نہ صرف منفرد اور ممتاز مقام حاصل ہے بلکہ ان ہر دو اصناف میں بڑے تخلیقی تجربے کر کے انہوں نے بلوچی شاعری کو ایک نیا لب و لہجہ عطا کیا۔ انہوں نے اپنی شاعری میں جدید ترین فکری رجحانات ومیلانات کو برت کر بلوچی غزل اور نظم میں نئے تخلیقی امکانات کے در کھول دیئے۔ کلاسیکی امیجز اور علامتوں کو جدید رویوں اور رجحانات کا مظہر بنا کر ایک نئے لسانی سانچے کی تشکیل کی اور روزمرہ استعمال کے لفظوں کی بُنت سے بلوچی شاعری کو نہایت ہی نفیس اور لطیف پیرایہ اظہار سے ہمکنار کیا۔

عطا شاد کے ہاں لفظ کا استعمال متنوع اور وسیع ہے۔ انہوں نے لفظ کی مختلف حیثیتوں کو بروئے کار لا کر اس کے دائرہ اثر اور اس کی معنویت میں اضافہ کیا۔ بلوچی شعری روایت کے ساتھ اپنا رشتہ برقرار رکھتے ہوئے ان کی شاعری میں روایت اور جدت کا ایک حسین امتزاج ملتا ہے۔ عطا شاد بنیادی طور پر بڑی پیچیدہ اور مضطرب نفسیات کے مالک تھے۔ یہی مضطرب نفسیات اور ان کے اندرونی اضطراب کا بہاؤ ان کی شاعری میں در آیا ہے۔ ان کے ہاں جہاں احساس و جذبات میں ہر لحہ شکست و ریخت کا عمل دکھائی دیتا ہے، وہاں تخلیقی عمل کی پیچیدگی میں بیک وقت دیو مالائی اسرار، فلسفیانہ دبازت اور انسانی شعور کے سفر کا ایک پر پیچ سلسلہ بھی نمایاں ہے جسے صرف ان کے ساتھ ایک ذہنی رشتہ استوار کر کے ہی دیکھا اور سمجھا جا سکتا ہے۔

عطا شاد کی ایک بلوچی نظم کا اردو ترجمہ عین، سلام نے بعنوان ''مقبرے کا میر'' کیا ہے۔ اس کے چند بند ملاحظہ ہو:

میر! اے مقبرے کے میر
آج اس دشت میں
جہاں کوئی نظر آتا نہیں بجز افلاک
نکہتیں خشک داغ خاکستر
نقش کتبے کے تیری شہرت کی طرح اندھے ہیں اور بوڑھے ہیں
مقبرہ جیسے سنگ مرمر کا کہنہ قلعہ
جو منہدم تو نہیں
لیکن اس کا وہ حسن استحکام
اور اس کی وہ آب و تاب تمام
اب ہے اک خواب، ایک خیال خام
میں غلامک، تیرا ضعیف غلام

تیرے خاکیں سرہانے استادہ
ایسے خاموش اتنا ساکت ہوں
جیسے تو دھاڑنے سے تھا معذور
عمر کی باقیات میں اپنی

2.7- بشیر بیدار

بشیر بیدار کے اب تک تین شعری مجموعے ''گوربام1982ء''، ''ہزام1990ء'' اور'' کریاب1999ء'' کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔ غزل اور نظم ہر دو حوالے سے وہ ایک جداگانہ طرز اسلوب کے مالک ہیں۔ سادگی اور نازک خیالی ان کے کلام کا بنیادی خاصہ ہے۔ وہ بڑے سے بڑے اور پیچیدہ خیال کو نہایت ہی سادہ اور عام فہم الفاظ میں بیان کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری میں تصورات وتخیلات، علامتیں، تشبیہات و استعارات ان کے ماحول اور معاشرہ سے ترتیب پاتی ہیں۔ تہذیبی اور ثقافتی بازیافت جیسے موضوعات سمیت ان کی شاعری میں بین الاقوامی طرز احساس نمایاں ہے۔ بشیر بیدار کی شاعری کی بنیادی سطح رومان ہے۔ ان کے رومان کی انفرادی اور شخصی سطح ان کے ذاتی دکھوں اور تلخیوں سے عبارت ہے جبکہ زندگی اور اجتماع کی وسیع تر سطح مقامیت کے کرب کے ساتھ ساتھ عالمی احساس سے ترتیب پاتی ہے۔

2.8- اللہ بشک بزدار

بلوچی نظم میں جس فکری اور شعری روایت کی بنیاد آزات جمالدینی نے قائم کی۔ عطا شاد؛ اکبر بارکزئی، ملک طوقی اور اس قبیل کے دوسرے شعراء کے علاوہ اللہ بشک بزدار نے اس فکری روایت کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ نبھایا اور آگے بڑھایا ہے۔ اللہ بشک بزدار کے ہاں وطن اور محبوب دو ایسے مستقل حوالے ہیں جہاں وہ ان سے سوچ اور ادراک کی ایک بلند تر سطح پر مسلسل اور تواتر کے ساتھ مکالمہ کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ اپنی چاہت کے معاملے میں اپنی محبوب کو وطن کا ایک مظہر سمجھ کر اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس کے گن گاتے ہیں۔ محبوب کی کافر اداؤں، شوخیوں اور اٹکھیلیوں سے متاثر ہونے کے برعکس وہ اپنی محبوب سے محض اس لئے محبت کرتے ہیں کہ اس کی رعنائیوں میں وطن کا حسن جھلکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اللہ بشک بزدار کے نزدیک وطن اور محبوب ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ ایک ہی فکر کے دو دھارے اور دو سطحیں ہیں اور یہ دونوں سطحیں اپنی اپنی علیحدہ شناخت اور پہچان کے باوجود تخلیقی اور فکری سطح پر جڑی ہوئی نظر آتی ہیں۔

بلوچی زبان کے ان شعراء کے علاوہ مبارک قاضی، رزاق نادر، منیر مومن، غلام حسین شوہاز، گل محمد وفا، رزاق دیدگ، سلطان نعیم قیصرانی، غنی پرواز، صباد شتیاری، ڈاکٹر فضل خالق، دلوش بگٹی، ابراہیم عابد، پیر بخش پیرل، عبدالمجید گوادری، ظفر علی ظفر، غو[illegible] صابر، جی۔ آر ملا، مومن بزدار، اسحٰق ساجد بزدار، اسماعیل ممتاز، ڈاکٹر علی دوست، سلام چاکری، ممتاز یوسف، حسرت بلوچ اور منظور بسمل کا شمار بھی بلوچی زبان کے اہم شعراء میں ہوتا ہے جنھوں نے بلوچی شاعری میں اپنا ایک الگ مقام اور پہچان بنالی ہے۔

3- خود آزمائی

1- جدید بلوچی شاعری کے موضوعات پر مفصل روشنی ڈالیں؟

2- میر گل خان نصیر اور ان کے ہم عصر بلوچ شعراء نے بلوچوں میں جذبہء حریت کو ابھارنے کے لئے کیا اہم کردار ادا کیا؟

3- قیام پاکستان کے بعد بلوچی شاعری میں کن اصناف کو زیادہ فروغ حاصل ہوا؟ مفصل لکھیے؟

4- آزات جمالدینی کی شاعری کا جائزہ پیش کریں؟

یونٹ نمبر 5

جدید نثری ادب

(بلوچی)

تحریر: واحد بزدار
نظرِثانی: ایوب بلوچ

یونٹ کا تعارف

عزیز طلبہ و طالبات!

اس یونٹ میں آپ جدید بلوچی نثر کا مطالعہ کریں گے۔ جدید بلوچی نثر کا تخلیقی عہد قیام پاکستان کے بعد شروع ہوتا ہے لیکن ساٹھ کی دہائی اور اس کے بعد بلوچی نثری ادب میں بہت سے نئے ادیب اور قلمکار سامنے آئے جنہوں نے جدید نثری ادب کو اپنے عہد کی ضروریات اور تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔ اس یونٹ میں آپ نثری اصناف افسانہ، ناول، ڈرامہ، تحقیق، تنقید، طنز و مزاح اور سفر نامہ کے بارے میں پڑھیں گے۔ نیز یہاں بلوچی کے نامور ادباء اور اہل قلم کے تعارف کے ساتھ ساتھ ان اصناف سخن میں چھپنے والی کتابوں کے متعلق بھی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ بلوچی کے جدید نثری ادب سے کماحقہٗ آگاہی حاصل کرنے کے لئے آپ اس یونٹ کے آخر میں دی گئی مجوزہ کتب کا بھی بغور مطالعہ کیجئے۔

مقاصد

اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1- بلوچی نثر میں عہد بہ عہد ہونے والی تبدیلیوں پر روشنی ڈال سکیں۔
2- بلوچی کے اہم نثر نگاروں کی ادبی کاوشوں سے آگاہ ہو سکیں۔
3- جدید بلوچی نثر کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لے سکیں۔
4- بلوچی افسانے، ناول، ڈرامے، تحقیق، تنقید اور سفر نامے کے ارتقائی سفر پر اظہار خیال کر سکیں۔

فہرست

[illegible] 86

1- [illegible] 89

1.1- افسانہ 90

1.2- ناول 92

1.3- ڈرامہ 93

1.4- تحقیق 94

1.5- تنقید 94

1.6- طنز و مزاح 95

1.7- سفرنامہ 95

1.8- سیرت النبی ﷺ 96

2- خود آزمائی 98

☆ حوالہ جات 99

☆ مجوزہ کتب برائے مطالعہ 101

1- جدید نثری ادب

اٹھارہویں صدی سے لے کر پاکستان کے قیام تک کا اکثر وبیشتر نثری ادب یا تو مذہبی اور دینی لٹریچر کا وہ سرمایہ ہے جو عیسائیت کی یلغار روکنے کے سلسلے میں سامنے آیا یا تاریخی واقعات‘ قصہ کہانیوں اور پندونصائح پر مشتمل وہ نثری تخلیقات ہیں جنہیں ابتدائی اور قدیم ترین نثری ادب کی حیثیت حاصل ہے لیکن حقیقی معنوں میں جدید بلوچی نثری ادب کا تخلیقی عہد قیام پاکستان کے بعد شروع ہوتا ہے جب بلوچی زبان و ادب کی ترقی و ترویج کے سلسلے میں مختلف رسالوں‘ ادبی تنظیموں‘ اداروں اور تحریکوں کی اجتماعی کاوشوں نے بلوچی ادب کو ایک نئے مقام پر لا کھڑا کیا۔

بلوچی رسائل و جرائد کی اشاعت کے ابتدائی دور میں چھپنے والے مضامین کا معیار گوکہ اتنا بلند نہ تھا لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ تحریروں کا معیار بہتر ہوتا گیا اور لکھنے والوں کا ایک وسیع حلقہ بنتا گیا جو نہ صرف بلوچی زبان و ادب‘ تاریخ اور کلچر کے حوالے سے معتبر مقام رکھتے تھے بلکہ دوسری زبانوں کے عصری اور عالمی ادبی رجحانات و میلانات سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔ اس طرح بلوچی نثر میں آغاز کے تھوڑے عرصہ بعد ہی گراں قدر علمی اور ادبی موضوعات کا ایک بڑا سرمایہ اکٹھا ہوگیا۔ بلوچی کے ابتدائی قلمکاروں میں مولانا خیر محمد ندوی‘ عبداللہ جان جمالدینی‘ سید ظہور شاہ ہاشمی‘ آزات جمالدینی‘ محمد حسین عنقا‘ میر گل خان نصیر‘ ع۔ص۔ امیری‘ کریم دشتی‘ اکبر بارکزئی‘ شیر محمد مری‘ امان اللہ گچکی‘ مراد آوارانی‘ مراد ساحر‘ انور شاہ قحطانی اور حاجی عبدالقیوم بلوچ کے نام نمایاں ہیں جنہوں نے بلوچی ادب میں جدید نثر کی داغ بیل ڈالنے کے ساتھ ساتھ اسے مستحکم بنیادیں فراہم کرنے میں مرکزی کردار ادا کیا۔

مولانا خیر محمد ندوی ایک بلند پایہ عالم‘ مبلغ دین اور سماجی کارکن ہونے کے ساتھ ساتھ بلوچی زبان و ادب کے ایک عظیم محسن تھے جنہوں نے سب سے پہلے بلوچی زبان میں ''اومان'' (کراچی) کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا جس سے تعلیم یافتہ بلوچ طبقہ کی توجہ بلوچی زبان و ادب کی طرف مبذول ہوئی۔ مولانا خیر محمد ندوی کی پیروی میں آزات جمالدینی نے بھی کراچی ہی سے ''ماہتاک بلوچی'' کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ مولانا خیر محمد ندوی اور آزات جمالدینی دونوں اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ زبان کو بڑی بنائے بغیر بڑا ادب تخلیق نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے انہوں نے مالی دباؤ اور وسائل کی کمی کے باوجود بھی اس فرض کو اپنی آخری سانس تک نبھائے رکھا۔

سید ظہور شاہ ہاشمی کا شمار بھی ایسی نابغۂ روزگار ہستیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے بلوچی زبان و ادب کے فروغ کے سلسلے میں ایک جنگجو ادیب کی طرح نثری اور شعری ہر دو اصناف میں انتہائی فعال اور مؤثر کردار ادا کیا اور ایک مختصر سے عرصے میں بلوچی ادب کو گراں قدر تخلیقی سرمایہ عطا کرنے اور اس کے دامن کو وسعت اور کشادگی دینے میں کامیاب رہے۔

عبداللہ جان جمالدینی وہ پہلے ادیب ہیں جنہوں نے بلوچی ادب میں ترقی پسندی‘ روشن خیالی اور انسان دوستی کے

نظریہ کوفروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔

ڈاکٹر نعمت اللہ گچکی، صورت خان مری، مٹھا خان مری، منیر بادینی، حکیم بلوچ، ایوب بلوچ، عطا شاد، بشیر احمد بلوچ، میر عاقل خان مینگل، غفار ندیم، غوث بخش صابر، عزیز بگٹی، گلزار مری، بائل دشتیاری، گوہر ملک، اشیر عبدالقادر شاہوانی، عبدالرحمٰن غور، محمد بیگ بلوچ، غنی پرواز، اکرم صاحب خان، غلام فاروق کا شمار بھی بلوچی کے اہم ادیبوں میں ہوتا ہے۔ جو ساٹھ اور ستر کی دہائی میں ایک نئی فکری توانائی اور تازگی کے ساتھ بلوچی ادب میں وارد ہوئے۔ یہ دور بلوچی زبان و ادب کا وہ زریں دور ہے جہاں نہ صرف بلوچی ادب مقامیت کے اظہار کے ساتھ عالمگیر طرزِ احساس سے ہمکنار ہوا بلکہ فکری وفنی اعتبار سے بھی بلوچی ادب میں نئے رجحانات ومیلانات سامنے آئے۔ اس سلسلے میں مختلف قلمکاروں نے اپنے تخلیقی رجحان کے پیش نظر مختلف اصناف کو مرکزِ خیال بنا کر جدید نثری ادب کو اپنے عہد کی ضروریات اور تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔

80 کی دہائی اور اس کے بعد بلوچی نثری ادب میں بہت سے نئے ادیب اور قلمکار سامنے آئے اور کچھ پہلے کے قلمکاروں نے فنی اور فکری اعتبار سے نئی ارتقائی منازل طے کیں۔ صبا دشتیاری، جان محمد دشتی، رزاق نادر، سلطان نعیم قیصرانی، بدل خان بلوچ، حفیظ حسن آبادی، ڈاکٹر شاہ محمد مری، واحد بزدار اس عہد کے نمایاں نام ہیں جنہوں نے اپنی فکری توانائی اور فنی بصیرت کے ذریعے بلوچی ادب کے کینوس میں وسعت اور کشادگی پیدا کی۔

گذشتہ باون برسوں میں نثری اصناف سخن میں افسانہ، ڈرامہ، ناول، تحقیق، تنقید، تذکرہ، رپورتاژ، سیرت، انشائیہ اور طنز و مزاح سمیت کم وبیش ہر موضوع پر کتابیں اور مضامین لکھے گئے لیکن نثر کے میدان میں دوسری تمام اصناف کے مقابلے میں افسانے کو زیادہ ترقی اور مقبولیت حاصل رہی۔

1.1- افسانہ

ورثہ میں ملی ہوئی ماضی کی لوک داستانوں کے تسلسل اور ارتقائی عمل کے برعکس بلوچی ادب میں افسانے کو باہر سے براہ راست مستعار لیا گیا۔ ابتداء میں افسانے کو بلوچی ادب میں متعارف کرانے کے سلسلے میں دوسری زبانوں کے متعدد افسانوں کا بلوچی زبان میں ترجمہ کیا گیا جن میں میکسم گورکی، چیخوف، ٹالسٹائے، موپساں، سمرسٹ ماہم، ژاں پال سارتر، میکس برانڈ، ڈیوڈ پال، بیلک دادا، کرشن چندر، احمد عباس، احمد ندیم قاسمی، یوسف سبائی، اشرف محی الدین، صادق ہدایت وغیرہ کے افسانے قابل ذکر ہیں لیکن تھوڑے عرصے کے بعد ہی بلوچ ادیبوں نے طبع زاد افسانے لکھنا شروع کر دیئے۔

بلوچی کے ابتدائی افسانہ نگاروں میں میر شیر محمد مری، صورت خان مری، سید ظہور شاہ ہاشمی، انور شاہ قحطانی، مراد ساحر، نسیم دشتی، محمد اعظم آسکو جمالدینی، عبدالرحمٰن غور، عبداللہ جان جمالدینی، مُلا رودی (آزات جمالدینی)، حمل سیلانی، عنایت اللہ قومی، مراد آوارانی، اکبر بارکزئی، قرۃ العین طاہر، ط۔ روحی کے نام نمایاں ہیں جنہوں نے بلوچی افسانے کو مواد اور موضوع کے اعتبار سے

مقامی اجتماعی نفسیات کا مظہر بنایا۔ ان کے افسانوں کے بیشتر موضوعات' سماجی اور طبقاتی جبر' معاشی اور معاشرتی ناہمواری' قبائلی سماج میں عورت کی خستہ حالی اور بے حرمتی' قحط' غربت' جہالت' پس ماندگی اور قبائلی نظام حیات کے رویوں اور رجحانات سے متعلق ہیں۔ ان کے افسانوں میں ٹھوس سماجی حقیقت نگاری کے حوالے سے اپنی سرزمین' انسانوں کی مقامیت اور تاریخی شعور کے اظہار کے ساتھ ساتھ فرسودہ قبائلی نظام کو بدلنے کا شعور ملتا ہے۔

بلوچی زبان کا پہلا طبعزاد افسانہ ''بے وفا'' ہے جسے ماسٹر حسن تاج نے تحریر کیا۔ ابتدائی افسانہ نگاروں میں میر شیر محمد مری کے افسانے ''جڈو'' (معذور) اور ''گنوک'' (پاگل) تکنیک و مواد کے اعتبار سے کامیاب افسانے شمار کئے جاتے ہیں۔ عبداللہ جان جمالدینی کے ''پاکیں مہر'' (پاک محبت) محمد عمر بمپوری کے ''پیریں ہمراہ'' (بوڑھا ساتھی) مراد ساحر کے ''گر میں ساھگ'' (گرم سایہ) اور ''گرند'' (رعد) عبدالقادر نوری کے ''تہاریں شپ'' (اندھیری رات) آسکو جمالدینی کے ''غریبانی ننگ امیرانی گواچی'' (غریبوں کی آبرو امیروں کی نذر)، صورت خان مری کے ''بوئے بوئے آدمی'' اور ''پروش ءِ سوب'' (شکست کی فتح) اور نسیم دشتی کے ''ناکو'' (چچا) اور ''سُور'' (شادی) کا شمار بھی بہترین افسانوں میں ہوتا ہے۔ یہ سب افسانے ''گچین آزمانک 1970ء'' یعنی (انتخاب افسانہ) میں شامل ہیں جسے حکیم بلوچ نے دو حصوں میں ترتیب دے کر بلوچی اکیڈمی سے شائع کرایا ہے۔ اس انتخاب کے پہلے حصے میں اردو سمیت غیر ملکی افسانوں کے بلوچی تراجم ہیں اور دوسرے حصے میں بلوچی افسانہ نگاروں کے طبع زاد افسانے شامل ہیں۔ اس سے قبل 1969ء میں انشائیوں اور افسانوں پر مشتمل سید ظہور شاہ ہاشمی کا ایک مجموعہ ''میر گند'' کے نام سے شائع ہوا جس میں انشائی مضامین کے علاوہ آٹھ کہانیاں بھی شامل ہیں۔

بلوچی افسانہ نگاری کے دوسرے دور (1975ء۔1961ء) کے افسانہ نگاروں میں ڈاکٹر نعمت اللہ گچکی' صدیق آزات' محمد بیگ بلوچ' منیر بادینی' گلزار خان مری' عبدالغفار گچکی' امان اللہ گچکی' عبدالرحمٰن غور' حکیم بلوچ' عزیز بگٹی' غلام فاروق' غوث بخش صابر' غنی پرواز' الفت نسیم' اکرم صاحب خان' منیر عیسےٰ' مولا بخش مشتاق' غنی طارق اور مبارک علی کے نام نمایاں ہیں۔

بلوچی زبان کے پہلے افسانوں کا مجموعہ ''نوذور غام'' عزیز محمد بگٹی کا ہے جو 1981ء میں شائع ہوا۔ اسی دور کے دوسرے افسانہ نگاروں میں منیر عیسےٰ کے تین مجموعے ''نودی شل 1989ء''، ''کپند 1990ء'' اور ''گرگی تل 1994ء'' شائع ہوئے جبکہ الفت نسیم کا ''آجوئی وگون 1983ء اور غنی طارق کا ''جلار 1983ء''، جبکہ حکیم بلوچ کے افسانوں اور ڈراموں پر مشتمل مجموعہ ''آس ءِ چہر 2000ء'' محمد بیگ بلوچ کے بلوچی افسانوں کا انگریزی ترجمہ ''The Prize'' 1996ء اور غنی پرواز کے چار افسانوں کے مجموعے ''سانکل 1992ء''، ''بے منزلیں مسافر 1995ء''، ''مہر پہ بہا گپت نہ بیت'' 1997ء اور ''مرتگیں مردءِ پچیں چم'' 2001ء نظر عام پر آ چکے ہیں۔ ڈاکٹر نعمت اللہ گچکی اور منیر بادینی بلوچی زبان کے نامور ادیب اور افسانہ نگار ہیں اگرچہ ان کا کوئی افسانوی مجموعہ شائع نہیں ہوا لیکن مجموعی طور پر ان دونوں کے تیس سے زیادہ افسانے مختلف بلوچی رسائل وجرائد

میں شائع ہوئے ہیں نیز ان کے بہت سے افسانے اردو اور انگریزی میں ترجمہ بھی ہو چکے ہیں۔

ستر کی دہائی کے آخر برسوں اور 80 کے شروع میں نئے افسانہ لکھنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوا لیکن اس دور کے اہم افسانہ نگاروں میں غوث بہار، صباد شتیاری، حفیظ حسن آبادی، گوہر ملک، واحد بزدار، عباس علی زیمی، تاج محمد طائر، رزاق نادر، یونس حسین، حنیف شریف، واحد دہانی، علی رئیسی اور ناگمان ہمدم کے نام نمایاں ہیں، گوہر ملک اور حفیظ حسن آبادی کے افسانوں کا کوئی مجموعہ تو اب تک سامنے نہ آ سکا لیکن ان دونوں افسانہ نگاروں نے نہایت ہی جاندار اور زندہ افسانے تحریر کئے ہیں۔ گوہر ملک نے مردانہ قبائلی سماج میں جہاں ایک طرف بلوچ خواتین کی خستہ حالی، بے اعتنائی، سماجی کمتری اور ان کے حقوق کی پائمالی کو موضوع بنایا ہے دوسری طرف ایک مہذب معاشرے میں عورت کے مقام اور اس کے کردار کی اہمیت سمیت ان کے سماجی حقوق، مساوات و برابری اور تقدس و احترام جیسے موضوعات پر افسانے لکھے۔

غوث بہار کا افسانوی مجموعہ ''زرگوات'' 1988ء صباد شتیاری کے دو افسانوی مجموعے ''ہون ہو شام 1994ء'' اور ''ترانگانی بُنزہ'' 2001ء، عباس علی زیمی کا ''اوبال 1991ء'' تاج محمد طائر کا ''واہگ ءِ مرگ 2000ء''، واحد دہانی کا ''سارءُ بے سار 1997ء'' اور رزاق نادر کا مجموعہ ''زامریں زند 2001ء'' کے نام سے شائع ہوئے۔

1951ء سے لے کر اب تک باون سال ہو چکے ہیں اس دوران تین سو سے زائد افسانہ نگار سامنے آئے مگر ان میں اکثریت ان افسانہ نگاروں کی ہے جن کے افسانوں کی تعداد چھ یا سات سے آگے نہ بڑھ سکی اور ان میں کچھ ایسے افسانہ نگار بھی شامل ہیں جو کئی کئی برسوں کے طویل وقفہ کے بعد ایک آدھ افسانہ لکھتے ہیں۔

1.2- ناول

ناول نگاری کے حوالے سے بلوچی زبان میں زیادہ قابل ذکر کام نہیں ہوا۔ اب تک چار ناول جن میں ستار پردلی کا ''سوب''، فقیر محمد عنبر کا ''نل ءِ توار'' 1987ء، غنی پرواز کا ''مہر ءِ ہو شام'' 2000ء اور حاجی خدا بخش بُزدار کا ''چھیذ غ'' 2001ء شامل ہیں، شائع ہوئے ہیں۔

ان ناولوں کے علاوہ چند ایک ناولٹ بھی دیکھنے میں ملتے ہیں۔ جن میں سید ظہور شاہ ہاشمی کا ناولٹ ''نازک'' 1976ء منیر بادینی کے دو ناولٹ ''ریکانی تل ءَ ہلکے'' 1993ء، ''بلے کہ ماہ بکپیت'' 1996ء اور جان محمد رضا کا ''جہد ءِ کارواں'' 1989ء شامل ہیں۔

سید ظہور شاہ ہاشمی کا ناولٹ ''نازک'' بلوچی زبان کا اولین ناولٹ ہے جس میں مکران کے ساحل پر رہنے والے بلوچ محنت کشوں کی طرز زندگی، ان کے مسائل و مصائب کے علاوہ مقامی تہذیب و ثقافت کی عکاسی کی گئی ہے۔ منیر بادینی کا ناولٹ ''بلے کہ ماہ بکپیت'' گورنمنٹ کالج پشین بلوچستان کے ایک استاد کا قتل اور دو استادوں کے اغواء کے حوالے سے تحریر کیا گیا ہے،

جبکہ ان کا دوسرا ناولٹ ”ریکانی تل ءَ ھلکے“ بلوچ قبائلی سماج کے نفسیاتی اور ذہنی رویوں کا احاطہ کرنے کے ساتھ ساتھ بیگانگیت، لایقینیت، غربت اور پس ماندگی جیسے مسائل و موضوعات سے عبارت ہے۔

ناولٹ ”جھدءِ کارواں“، لمحہ موجود سے عدم اطمینان کا اظہار ہے اور اس میں تبدیلی اور انقلاب کی خواہش نمایاں ہے۔

ستار پُردلی کا ناول ”سوب“ افغانستان کے ”ثور انقلاب“ کے پس منظر میں لکھا گیا ہے اور اس میں ”ثور انقلاب“ کے اثرات و مضمرات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ فقیر محمد عنبر کا ناول ”نل ءِ توار“ کسی بڑے اور مرکزی خیال کی نمائندگی نہیں کرتا۔ یہ ایک روایتی اور سیدھے سادے انداز کی کہانی ہے۔ جس میں معاملاتِ پیار و محبت کے علاوہ بلوچ سماج میں عورت کی بیچارگی اور سوتیلی ماں کے مظالم جیسے مسائل کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ”مہرءِ ہوشام“ فرسودہ قبائلی سماج کو بدلنے اور اس کی جگہ ایک نئے اور روشن خیال معاشرے کے قیام کی خواہش کا آئینہ دار ہے جبکہ حاجی خدا بخش بزدار کا ناول ”چھیذغ“، سکھوں کی جارحیت اور مظالم کے خلاف بلوچوں کے مزاحمتی کردار اور ان کی وطن دوستی جیسے موضوعات کا احاطہ کرتا ہے۔

1.3- ڈراما

”شہناز“ بلوچی زبان کا پہلا ڈراما ہے جسے مراد آوارانی نے تحریر کیا۔ 1954ء میں جب ریڈیو پاکستان کوئٹہ کی نشریات کا آغاز ہوا تو یہاں سے ریڈیائی ڈراموں کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ اس دور کے ڈرامانویسوں میں بشیر احمد بلوچ، امان اللہ گچکی، عطا شاد، ایوب بلوچ، حکیم بلوچ، کریم دشتی، نصیر شاہین، صورت خان مری اور غوث بخش صابر کے نام نمایاں ہیں۔ پھر 1974ء میں کوئٹہ ٹیلی ویژن سے نشریات کا آغاز کیا گیا اور بلوچی ڈرامے ٹیلی کاسٹ کئے جانے لگے۔ اس طرح ریڈیو پاکستان اور پاکستان ٹیلی وژن کوئٹہ کی نشریات کے باعث ڈراما نگاروں کا ایک وسیع حلقہ سامنے آیا۔ بلوچی ڈراموں کے اب تک کئی مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔ ”گچین کسمانک“ بلوچی ڈراموں کا پہلا مجموعہ ہے جسے اثیر عبدالقادر شاہوانی نے مرتب کیا۔ اس میں عطا شاد، بشیر احمد بلوچ، امان اللہ گچکی، میر عاقل خان مینگل، نصیر شاہین، حکیم بلوچ، غوث بخش صابر اور م۔ طاہر کے ریڈیائی ڈرامے شامل ہیں۔

بلوچی ڈراموں کا دوسرا اور تیسرا مجموعہ ٹیلی وژن ڈراموں پر مشتمل ہے۔ یہ ٹی وی ڈرامے عبدالخالق بلوچ نے تحریر کئے۔ جنہیں بعد میں ”مہرءِ آشوب“ اور ”انجیرءِ پُل“ کے نام سے شائع کیا گیا۔ ریڈیائی ڈراموں پر مشتمل ایک اور مجموعہ ”نگرہ درنز“ کے نام سے غوث بخش صابر نے مرتب کیا، جس میں کل دس ڈرامے شامل ہیں۔ اس کے علاوہ غوث بخش صابر اور اختر ندیم نے ریڈیائی ڈراموں پر مشتمل دو اور مجموعے ”ہوشام“ اور ”گوہرءِ درپش“ کے نام سے ترتیب دیئے۔ ان میں امان اللہ گچکی، عطا شاد، نظام بلوچ، یوسف عزیز گچکی، منیر بازئی، ایوب بلوچ، محمد بیگ بلوچ، غوث بخش صابر، حکیم بلوچ اور سرفراز سلیم کے ڈرامے شامل ہیں۔

1.4- تحقیق

پاکستان کے قیام کے بعد جب بلوچی زبان وادب کی ترقی وترویج کے سلسلے میں شعوری کوششوں کا آغاز ہوا تو اس سلسلے میں سب سے پہلے مولانا خیر محمد ندوی نے 1951ء میں ماہنامہ ''اومان'' کا اجراء کیا۔ اس کے بعد آزات جمالدینی نے 1956ء میں کراچی سے ماہنامہ ''بلوچی'' کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ ان رسائل و جرائد اور مختلف ادبی تحریکوں اور تنظیموں کی کوششوں کے نتیجے میں بلوچی زبان وادب، تہذیب وثقافت اور تاریخ وروایت کے حوالے سے وسیع پیمانے پر تحقیق وتدوین کے کام کا آغاز ہوا۔

بلوچی زبان کی ابتداء وارتقا، لسانی خصوصیات، صرف ونحو، رسم الخط، محاورے وضرب الامثال اور لغت کے حوالے سے سید ظہور شاہ ہاشمی، شیر محمد مری، میر عاقل خان مینگل، ڈاکٹر عبدالرحمٰن بارکر، ع۔ص۔امیری، بشیر احمد بلوچ، میر احمد دہانی، آغا نصیر خان احمد زئی، غوث بخش صابر، عطا شاد، صورت خان مری، گلزار خان مری، ڈاکٹر محمد قاسم عینی، میر مٹھا خان مری، عبدالرحمٰن پہوال، پیر محمد زبیرانی، حاجی عبدالقیوم بلوچ، مولانا خیر محمد ندوی اور غوث بہار نے تحقیق وتدوین کے کام کو آگے بڑھایا۔

جبکہ کلاسیکی اور لوک ادب کے حوالے سے میر شیر محمد مری، عبداللہ جان جمالدینی، بشیر احمد بلوچ، عطا شاد، میر مٹھا خان مری، کامل القادری، میر گل خان نصیر، میر عاقل خان مینگل، ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی، نور محمد دہقانی، عبدالرحمٰن غور، سردار محمد خان گشکوری، مومن بزدار، اسحاق ساجد بزدار، جسٹس خدا بخش مری، گلزار خان مری، ذکیہ سردار بلوچ، اشرف سر بازی، پیر محمد زبیرانی، ڈاکٹر محمد حیات مری، غوث بخش صابر، اشیر عبدالقادر شاہوانی، واحد بُزدار، یوسف عزیز مگسی، فقیر محمد شاد اور غلام قادر بُزدار نے مختلف قدیم بلوچ شعراء کے کلام کے علاوہ قدیم بلوچی شاعری کے دستیاب سرمایہ کو اکٹھا کر کے شائع کروایا۔

قدیم بلوچی شاعری کے علاوہ بلوچی لوک کہانیوں اور داستانوں کے ایک بڑے سرمایہ کو نو ضخیم جلدوں میں سمیٹ کر بلوچی اکیڈمی کوئٹہ سے شائع کیا گیا۔

1.5- تنقید

نقد ونظر حوالے سے سب سے پہلے امان اللہ گچکی نے تنقیدی مسائل وموضوعات پر قلم اٹھایا۔ اس کے بعد کریم دشتی نے بلوچی ادب میں تنقید کی اہمیت وافادیت کو سمجھتے ہوئے اپنی دو تنقیدی کتب ''مئے لبزانک'' (1963ء) اور ''شر گداری'' (1963ء) میں مختلف بلوچی شعراء کے کلام کا فنی اور فکری تجزیہ کیا، جس سے بلوچی ادب میں تنقیدی رجحانات ومیلانات کا ایک واضح اور مربوط سلسلہ شروع ہوا۔

1970ء میں میر شیر محمد مری نے اپنی کتاب ''کہنیں شاہری'' میں کلاسیکی شاعری کے فنی اور فکری محاسن سمیت بلوچی ادب کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کا احاطہ کیا۔ 1980ء میں کامل القادری نے ''مہماتِ بلوچستان'' کے نام سے جدید بلوچی

شاعری کی پیش رفت کا جائزہ لیا۔

میر عاقل خان مینگل نے "لوزانکی ایراد گری" 1990ء اور غنی پرواز نے "لبزانکی شر گداری" 1996ء میں تنقید کے نظریاتی دبستانوں کا احاطہ کیا جبکہ غلام فاروق بلوچ نے اپنی کتاب "نوکیں تام" (1985ء) میں جدید بلوچی شاعری کے ارتقائی مراحل کا جائزہ لیا۔

واحد بُزدار نے اپنی دو تنقیدی کتب "قدیم بلوچی شاعری کا تنقیدی جائزہ" 1997ء اور "شاہیم" (1998ء) میں قدیم و جدید بلوچی ادب کے مختلف فکری و فنی پہلوؤں اور عصری رجحانات و میلانات کا جائزہ لیا۔ پروفیسر صبا دشتیاری کی کتاب "انگریں واھگ" 1999ء اور صدیق آزات کی کتاب "تناپیں تران" 2002ء بھی اہم تنقیدی کاوشیں ہیں جن میں بلوچی ادب کے مختلف رویوں اور رجحانات کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

ان تنقیدی کاوشوں کے علاوہ مختلف تنقید نگار بلوچی رسائل و جرائد میں وقتاً فوقتاً تنقیدی مضامین لکھتے رہے ہیں۔ ان اہم تنقید نگاروں میں عبداللہ جان جمالدینی، حکیم بلوچ، اکبر بارکزئی، میر مٹھا خان مری، ع۔ ص۔ امیری، ڈاکٹر فضل خالق اور سلطان نعیم قیصرانی کے نام نمایاں ہیں۔

1.6- طنز و مزاح

بلوچی ادب میں مزاح نگاری کے حوالے سے محمد بیگ بلوچ ایک منفرد اسلوب کے مالک ہیں۔ ان کے اب تک دو نثری مجموعے "شکل و ماجین" 1986ء اور "زنڈیں دپار" 1995ء منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ سیاسی، سماجی اور معاشرتی موضوعات پر اپنے مخصوص لہجے میں خامہ فرسائی کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تحریروں میں فکری گھمبیرتا اور علم و دانش کی جھلک نمایاں ہے۔

اکرم صاحب خان بھی طنز و مزاح کے حوالے سے ایک اہم نام ہیں۔ "ناکو تیاپ دپی" کے قلمی نام سے ان کی نثری تحریروں کے دو مجموعے "گواتی ءِ مات" (1986ء) اور "بھیل ءُ آلاڑ" (1999ء) شائع ہو چکے ہیں۔ "بھیل ءُ آلاڑ" اور "گواتی ءِ مات" میں مختلف سماجی اور معاشرتی موضوعات کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے، جہاں طنز و مزاح کا ایک سلجھا ہوا انداز دیکھنے میں ملتا ہے۔

اشرف سربازی، بانل دشتیاری، عیسےٰ گل، موسیٰ نسیم اور اکبر گمشاد کی مزاحیہ تحریروں کے علاوہ عابد آسکانی کا ایک مزاحیہ شعری مجموعہ "چُشیں شوم ءُ شانزدہ" 2000ء کے نام سے شائع ہوا ہے۔ بلوچی زبان پر دسترس رکھنے کے باعث اُن کی مزاحیہ شاعری میں شگفتگی اور زبان کے رچاؤ کا ایک حسین امتزاج ملتا ہے۔

1.7- سفر نامہ

سفر نگاری کے حوالے سے چند ایک مختصر تحریروں کے علاوہ منیر بادینی کا سفر نامہ "آگہیں چمانی واب"

(کھلی آنکھوں کا سپنا)، 1996ء ان کے دورہ امریکہ کے حوالے سے تحریر کیا گیا ہے جو بلوچی ادب میں ایک گراں قدر علمی، ادبی اور تخلیقی اضافہ تصور کیا جاتا ہے۔ ''آگھیں چمانی واب'' تاریخ، تہذیب اور مستقبلیات کے حوالے سے امریکی ادیبوں اور دانشوروں کے نقطۂ نظر سمیت منیر بادینی کے اپنے فلسفیانہ خیالات، مشاہدات اور امکانات کا احاطہ کرتا ہے۔

روایتی سفر ناموں کے برعکس منیر بادینی نے امریکی نئی دنیا کا تصور اس کی طرز معاشرت، ادب، تاریخ اور تہذیب و ثقافت کو اپنی ذات، فکر اور مشاہدے کی روشنی میں دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سفر نامہ امریکی تفریحی مقامات، مختلف جگہوں، ہوٹلوں، پارکوں، رنگوں، روشنیوں اور ذہنی عیاشیوں کی طلسماتی کہانیوں سے کہیں زیادہ ان کی اپنی ذات اور فکری سفر کی دلالت کرتا ہے۔

منیر بادینی چونکہ بنیادی طور پر ایک فکری آدمی ہیں اور انہیں فلسفہ سے گہرا شغف ہے۔ اس لیے انہوں نے امریکہ کی نئی دنیا کے تصور کو اپنی فکری دھار پر پرکھتے ہوئے یہ جاننے کی کوشش کی ہے کہ وہ خود اپنے شخصیتی اور فکری سفر میں کہاں کھڑے ہیں۔

''آسمان گند'' کے نام سے لکھا ہوا ایک اور سفر نامہ درحقیقت 1950ء میں بلوچستان کا دورہ کرنے والے دو صحافیوں عبداللہ ایف۔ بلوچ اور عبدالحیٰ جمشید زئی کے مشاہدات و تاثرات پر مشتمل ہے جسے جسیم فرد نے سفر نامہ کی شکل دی ہے۔ یہ سفر نامہ ماہنامہ ''بلوچی'' کوئٹہ کے شماروں میں قسط وار شائع ہوتا رہا ہے۔ ''آسمان گند'' میں بلوچستان کی سیاسی اور سماجی صورتحال اور تہذیب و معاشرت کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔

ان سفر ناموں کے علاوہ ایوب بلوچ کا دورہ یورپ، چین اور امریکہ، میر عاقل خان مینگل کا دورۂ یورپ اور ایران، عبدالواحد بندیگ اور عابد آسکانی کا سفرِ خلیج، قاضی عبدالرحیم صابر کا سفر بغداد، ڈاکٹر علی دوست کا سفر ہنگری، حفیظ حسن آبادی کا سفرِ روس اور یار جان بادینی کا دورہ ترکمانستان، افریقہ اور عمان مشاہدات و تاثرات کے اعتبار سے تاریخی اور معلوماتی سفر نامے ہیں، جو مختلف بلوچی رسائل و جرائد میں قسط وار شائع ہوتے رہے۔

اندرون و بیرون ملک سفر و سیاحت کے حوالے سے دوسرے سفر نگاروں میں عبداللہ جان جمالدینی، ابراہیم جلیس نگوری، عبدالصمد امیری اور صدیق آزات کی سفری تحریریں بھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے گراں قدر ادبی اور تاریخی اہمیت کی حامل ہیں۔

1.8- سیرت رسول ﷺ

بلوچی ادب میں سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر نعت کے علاوہ متعدد بصیرت افروز اور روح پرور تخلیقات دیکھنے کو ملتی ہیں جن میں مولانا عبدالباقی درخانی، قاضی عبدالصمد سر بازی، مولانا خیر محمد ندوی، محمد شفیع مفتی، مولانا ضیاء الحق خلیلی، محمد اعظم آسکو جمالدینی، پیر محمد پیرل زبیرانی، مولوی محمد اسماعیل قربان، اثیر عبدالقادر شاہوانی، ملک محمد پناہ، عبدالرحمٰن غور، مولوی محمد حسین عاجز، عنایت اللہ قومی، صباد شتیاری، ناز بلوچ، ڈاکٹر فضل خالق کی تحریریں سیرت طیبہ ﷺ کے مختلف پہلوؤں اور جہتوں کا احاطہ کرتی ہیں۔

مضامین اور نعتوں کے ساتھ ساتھ سیرت پر کتابیں بھی لکھی گئیں جن میں سب سے پہلے قاضی عبدالرحیم صابر کی کتاب ''سردار ءِ دو جہان ﷺ'' ادبی بورڈ کراچی نے شائع کی جبکہ ان کی دوسری کتاب ''ساقی کوثر ﷺ'' (1984ء) میں منظر عام پر آئی۔ اس کے علاوہ میر مٹھا خان مری نے ''سیرت النبی ﷺ''، حاجی عبدالقیوم بلوچ نے ''رسول ﷺ ءِ پاکیں زِند'' (1980ء)' محمد خان مری نے ''پاکیں نبی ﷺ ءِ زند'' (1980ء) اور مومن بزدار نے ''دو جہان ءِ سردار ﷺ'' (1985ء) کے نام سے سیرت النبی ﷺ پر کتابیں تحریر کیں۔

احادیث نبوی ﷺ کے تراجم پر مبنی کتاب ''اربعین عینی'' (1985ء) کے عنوان سے ڈاکٹر ابو یحیٰ محمد قاسم عینی نے بلوچی اکیڈمی سے چھپوائی اور حضور ﷺ کے نسب نامہ مبارک کو آغا نصیر خان احمد زئی نے ''پاکیں نبی ﷺ ءِ نسب نامگ'' کے نام سے نیشنل ہجرہ کونسل' اسلام آباد سے شائع کرایا۔ ابراہیم عابد کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ''مادنیں راہ'' (1987ء) لبزانکی سر چمگ تربت نے شائع کیا۔

خود آزمائی

1- بلوچی زبان میں افسانہ، ناول اور سفر نامہ کے ارتقائی سفر پر روشنی ڈالیں؟

2- بلوچی میں دیگر زبانوں کے افسانوں کے تراجم کا مختصراً جائزہ پیش کریں؟

3- بلوچی ڈرامہ کے فروغ میں کن ڈرامہ نگاروں نے اہم کردار ادا کیا، مختصر جائزہ پیش کریں؟

4- بلوچی میں تحقیق اور تنقید کی صورتحال پر روشنی ڈالیں؟

حوالہ جات

(ح-1): خلیل صدیقی، زبان کیا ہے، ملتان، بیکن گل گشت1989ء، ص:199

(ح-2): خلیل صدیقی، زبان کیا ہے، ص:200/199

(ح-3): مری، شیر محمد، بلوچی کہنیں شاحری، کوئٹہ، بلوچی اکیڈمی، 1970ء، ص:4/5

(ح-4): عبدالشکور احسن، مرتب، پاکستانی ادب، لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، 1981ء، ص:74/75

(ح-5): کامل القادری، بلوچی ادب کا مطالعہ، کوئٹہ، بولان بک کارپوریشن، 1974ء، ص:74

(ح-6): میر عاقل خان مینگل، "A Persian-Pahlavi Balochi Vocabulary" کوئٹہ، بلوچی اکیڈمی 1990ء، ص:7

(R-7): Quoted from his Grundriss der Iranishen Philologie Vol. i, ii. Page 417, by Denys Bray in The Balochistan Census Report, 1911, p. 131

(R-8): Huges Buller, R. Makran and Kharan Gezetter Bombay 1960. p. 80

(ح-9) بلوچ، محمد بیگ، مترجم، بلوچی گرامر، کوئٹہ، بلوچی اکیڈمی، 1988ء، ص:2

(R-10): Dames, Mansel Longworth "Balochistan" Encyclopedia of Islam Vol: i. Leiden: Brit. 1913 - p. 633.

(R-11): Morgenstierne, George "The Balochi Language" Pakistan Quarterly 17 (1) 57 Karachi 1969.

(ح-12): عبدالشکور احسن، مرتب، پاکستانی ادب، ص:75

(ح-13): پروفیسر ایم۔ انور رومان، بلوچستان میں اردو ذریعہ تعلیم، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، 1987ء، ص:38

(ح-14): پروفیسر ایم۔ انور رومان، بلوچستان میں اردو ذریعہ تعلیم، ص:38

(ح-15): انعام الحق کوثر، ڈاکٹر، بلوچستان میں اردو، لاہور، مرکزی اردو بورڈ، 1968ء، ص:139

(ح-16): آغا محمد ناصر، بلوچستان میں اردو شاعری، کوئٹہ، کوژک پبلشرز، 2000ء، ص:24

(ح-17): آغا محمد ناصر، بلوچستان میں اردو شاعری، ص:25

(ح-18): ایضاً ص:27

(ح-19): ایضاً ص:29-28

(ح-20): واحد بزدار، قدیم بلوچی شاعری کا تنقیدی جائزہ، اسلام آباد، قومی ادارہ برائے مطالعہ پاکستان، 1998ء، ص:50

(ح-21): واحد بزدار، قدیم بلوچی شاعری کا تنقیدی جائزہ، ص:41-40

(ح-22): ایضاً، ص:84

(ح-23): عبدالشکور احسن، مرتب، پاکستانی ادب، ص:90

(ح-24): واحد بزدار، قدیم بلوچی شاعری کا تنقیدی جائزہ، ص:91

(ح-25): واحد بزدار، قدیم بلوچی شاعری کا تنقیدی جائزہ، ص:57-58

(ح-26): مری، میر مٹھا خان، درچین (جام درک کے بلوچی کلام کا اردو نثری ترجمہ)، اسلام آباد، اکادمی ادبیات، 1987ء، ص:74

(ح-27): عبدالشکور احسن، مرتب، پاکستانی ادب، ص:104

(ح-28): ایضاً، ص:109

مجوزہ کتب برائے مطالعہ

1- بلوچ، آغا نصیر خان احمد زئی، بلوچی گرائمر، کوئٹہ، بلوچی اکیڈمی، 1981ء

2- بلوچ، آغا نصیر خان احمد زئی، پیر محمد زبیرانی، مترجم، بلوچی زبان و ادب کی تاریخ، کوئٹہ، بلوچی اکیڈمی، 1991ء

3- عبدالشکور احسن (مرتب) پاکستانی ادب، لاہور، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، 1981ء

4- کامل القادری، بلوچی ادب کا مطالعہ، کوئٹہ، بولان بک کارپوریشن، 1976ء

5- انعام الحق کوثر، ڈاکٹر، بلوچستان میں بولی جانے والی زبانوں کا تقابلی مطالعہ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، 1991ء

6- ہاشمی، سید ظہور شاہ، بلوچی زبان و ادب کی تاریخ، کراچی، ظہور شاہ اکیڈمی، 1986ء

7- غوث بخش صابر، بلوچی زبان و ادب کی مختصر تاریخ، مقتدرہ قومی زبان پاکستان، اسلام آباد، 1997ء

8- سید فیاض محمود، گروپ کیپٹن، (مدیر خصوصی) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند (چودھویں جلد) پنجاب یونیورسٹی، لاہور، 1971ء

9- واحد بزدار، قدیم بلوچی شاعری کا تنقیدی جائزہ، قومی ادارہ برائے مطالعہ پاکستان، قائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد، 1997ء

10- میر گل خان نصیر، بلوچی رزمیہ شاعری، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، 1979ء

11- میر گل خان نصیر، بلوچی عشقیہ شاعری، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، 1979ء

12- Dames, L.W, A Text Book of Balochi Language, Balochi Academy, Quetta, 1991.

13- غوث بخش صابر، (مؤلف) بلوچی ادب، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، 1999ء

14- افضل مراد، (مرتب) بیسویں صدی میں بلوچستان کا ادب، قلم قبیلہ ادبی ٹرسٹ، کوئٹہ، 2000ء

یونٹ نمبر 6

براہوئی زبان کا آغاز وارتقاء

تحریر: ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی

نظرثانی: ڈاکٹر عبدالرزاق صابر

یونٹ کا تعارف

مطالعاتی رہنما کے اس یونٹ کا تعلق براہوئی زبان کے آغاز وارتقاء سے ہے۔ براہوئی بلوچستان کے علاوہ صوبہ سندھ، جنوبی افغانستان اور مشرقی ایران کے بعض حصوں میں بولی جاتی ہے۔ بلوچستان میں اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد اٹھائیس فیصد ہے۔ زیرنظر یونٹ میں براہوئی کے آغاز وارتقاء کے بارے میں ماہرین السنہ کے نظریات کے علاوہ اس زبان کے لہجوں، لسانی جغرافیہ، حروف تہجی، رسم الخط، اردو کے ساتھ بین اللسانی روابط اور بنیادی قواعد کے بارے میں ضروری اور بنیادی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ یونٹ کے آخر میں ابتدائی بول چال کے چند جملے اور گنتی بھی شامل ہے۔ آپ اس یونٹ کے تفصیلی مطالعے کے لیے مطالعاتی رہنما کے آخر میں درج شدہ کتب سے بھی بھرپور مدد لیجیے۔

مقاصد

اس یونٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1- براہوئی زبان کے آغاز وارتقاء کے بارے میں ماہرین لسانیات کے نظریات کو جان سکیں اور ان کی وضاحت کر سکیں۔
2- براہوئی کی لسانی خصوصیات بیان کر سکیں۔
3- براہوئی کے مختلف لہجوں، حروف تہجی، رسم الخط اور اردو کے ساتھ لسانی روابط پر روشنی ڈال سکیں۔
4- براہوئی کے بنیادی قواعد جان سکیں۔

فہرست

	یونٹ کا تعارف اور مقاصد	104
1۔	براہوئی زبان کا آغاز وارتقاء	107
1.1-	لسانی جغرافیہ	108
2۔	لہجے	109
2.1-	ساراوانی لہجہ	109
2.2-	جھالاوانی لہجہ	109
2.3-	رخشانی لہجہ	109
2.4-	لہجوں کا فرق	110
3۔	حروف تہجی	111
4۔	رسم الخط	112
5۔	براہوئی اور اردو کے بین اللسانی روابط	114
6۔	چند بنیادی قواعد	116
7۔	ابتدائی بول چال کے چند فقرے اور گنتی	127
☆	خود آزمائی	129

1۔ براہوئی زبان کا آغاز وارتقاء

براہوئیوں کے متعلق مختلف نظریات پیش کئے گئے ہیں۔ کوئی ان کو ترکی، ایرانی اور بلوچوں کے ان سو قبائل میں سے ایک بتاتا ہے جو دوسرے بلوچوں کی نسبت بہت پہلے ہجرت کر کے ایران میں کوہ البرز کے قرب وجوار میں آباد ہو گئے اور اسی وجہ سے برزکوئی، بروہی، براہوئی مشہور ہوئے (ح۔1)۔ قدیم فارسی میں برویارو پہاڑ اور نرو رنارو میدان کو کہتے تھے۔ اس طرح پہاڑی آدمی کے لئے بروہی، بروئی اور میدانی کے لئے نروی رناروئی استعمال ہوتا تھا۔ ناروئی اب تک ہلمند کے علاقے میں رہتے ہیں۔ (ح۔2)۔ بلوچستان میں ان کی پہلی آمد کے متعلق اب تک ٹھوس شواہد دستیاب نہیں ہوئے (ح۔3)۔ ایک گروہ یہ بھی کہتا ہے کہ براہوئی موہنجوداڑو کے قدیم باشندے اور دراوڑ ہیں۔ (ح۔4)

براہوئی زبان السنہ دراوڑی سے تعلق رکھتی ہے اور پاکستان کی قدیم ترین زبان ہے۔ اس نے آزادی سے فارسی، بلوچی، سندھی اور دیگر ہمسایہ زبانوں کے الفاظ اپنائے ہیں لیکن اپنی گرامر میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہونے دی (ح۔5)۔ جملہ مستشرقین اس پر متفق ہیں کہ براہوئی گرامر صدیوں سے جوں کی توں قائم ہے۔ اس پر کسی دوسری زبان کی گرامر کا اثر نہیں ہوا (ح۔6)۔ براہوئی زبان دراوڑی زبانوں کی جنوب مغربی شاخ سے تعلق رکھتی ہے اور اس سلسلے کی دیگر دو زبانوں مالٹو اور کرخ سے قریب تر ہے۔ براہوئی زبان کے بارے میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ شائد قبل از تاریخ دراوڑی آبادی کا ایک طبقہ اپنی اصل مرز بوم انڈیا سے جدا ہو کر اوپر کی جانب نقل مکانی کر گیا۔ (ح۔7)

دوسری رائے کے مطابق براہوئی بھی قریباً تین ہزار قبل مسیح جنوب مغرب سے دیگر آریائی قبائل کے ساتھ برصغیر میں وارد ہوئے اور اپنے دیگر ہم نسل لوگوں کی طرح جنوب مشرق کی طرف نہیں بڑھے بلکہ ساراوان اور جھالاوان کے پہاڑی علاقوں میں مستقل بس گئے۔ (ح۔8)

براہوئی زبان میں جو دراوڑی خصوصیات ہیں اس کے مطابق اس کے ضمائر استفہام، فعل اور ابتدائی تین اعداد دراوڑی ہیں۔ ''نا'' اور ''آ'' کے لاحقے گونڈ اور لاحقہ ''ای'' ملیالم اور تامل زبانوں کی طرح ہے۔ جمع کا قاعدہ ''ک'' دراوڑی گرامر کے عین مطابق ہے۔ دراوڑی زبانوں کی تانیث کے اختتام میں ''ڑ'' آتی ہے۔ براہوئی میں بھی یہی قاعدہ ہے۔ مثلاً مسڑ (لڑکی)، اِیڑھ (بہن)، بلغڑ (ساس) وغیرہ۔ براہوئی زبان میں جمع بنانے کا سابقہ ''ک'' دراوڑی زبانوں میں گونڈی سے قریب ہے، اور یہ دراوڑی زبانوں میں علامت جمع (Kal یا Gal) کی ابتدائی شکل ہے جبکہ براہوئی میں بھی گل (Gal) بمعنی گروہ کے مستعمل ہے جیسے بزگل (ریوڑ) نیاڑی گل (خواتین) وغیرہ۔ (ح۔9)

براہوئی زبان آریائی یا ہند آریائی قدیم وجدید السنہ از قسم سنسکرت، قدیم فارسی، یونانی، لاطینی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اطالوی، روسی، فارسی اور ہندی کی طرح تصریفی زبان نہیں جو اپنے قواعدی رشتوں کو ممیز کرنے کے لیے لاحقوں سابقوں اور میانوں

کے ذریعے الفاظ کی انتہا یا بعض اوقات ان کی صورت تک کو بدل ڈالتی ہیں اور یہ لاحقے سابقے اور میانے اسماء کیساتھ مل کر اپنے معنی اور اپنی انفرادیت ہی کھو بیٹھتے ہیں۔ (ح۔10)

تامل، تلگو، ملیالم، تولو، کداگو اور براہوئی وغیرہ دراوڑی السنہ کی تراشیدہ ومتمدن بولیاں ہیں اور کوند، اکھونڈ، کوٹا ٹوٹا، اون اور راج محل کہ غیر متمدن ہیں۔ان تمام السنہ کا اصول مشترک یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ الفاظ کو لاحقوں سابقوں اور میانوں کے ذریعے ایسے جوڑ دیتی ہیں کہ وہ تصریفی السنہ کے لاحقوں کی طرح اصل لفظ میں کاملاً جذب تو نہیں ہوتے لیکن اپنے معانی قائم رکھنے کے باوجود امتزاج و الحاق سے ایک نئے معنی پیدا کر دیتے ہیں۔ گویا براہوئی اور دیگر دراوڑی السنہ کا سامی و حامی السنہ سے رشتہ نہ صرف قریبی بلکہ قدیم ہے۔

براہوئی زبان کو دراوڑی قرار دینے کا سہرا جرمن عالم لالسن کے سر ہے جس نے براہوئی اور اس کی بول چال پر تفصیلی روشنی ڈالی اور تقابلی مطالعہ کے بعد کہا کہ ''مجموعی طور پر براہوئی زبان اسی قبیلے سے نکلی ہوئی معلوم ہوتی ہے جس سے پنجابی اور سندھی نکلی ہیں لیکن اس میں صریحاً دراوڑی عنصر شامل ہیں''۔ اسی جرمن عالم کے مواد کے تفصیلی تقابلی مطالعہ کے بعد رابرٹ کالڈویل نے براہوئی اور دراوڑی زبانوں کے مابین تعلقات کو لالسن کی نسبت نہ صرف واضح کر دیا بلکہ انہیں زیادہ قریبی بتا دیا اور اس سلسلے میں انہوں نے بہت سے لسانی شواہد پیش کیے۔ اس کے بعد دیگر ماہرین لسانیات، جن میں ایم بی ایمینیو، ٹی برو، ایم ایس آندرونوف، سر ڈینس برے اور ڈاکٹر عبدالرحمن براہوئی شامل ہیں، نے بھی اپنی تحقیقات سے نہ صرف براہوئی زبان کی بنیاد کو دراوڑی الاصل قرار دیا بلکہ براہویوں کو دراوڑنسل قرار دیا۔

1.1- لسانی جغرافیہ

براہوئی زبان پاکستان کے صوبہ بلوچستان کے علاوہ صوبہ سندھ، جنوبی افغانستان اور مشرقی ایران میں بھی بولی جاتی ہے۔ بلوچستان میں براہوئی بولنے والوں کی تعداد ایک اندازے کے مطابق کل آبادی کا تقریباً 28 فیصد ہے۔ اسی طرح وسطی بلوچستان کے مغرب میں بلوچی زبان کا رخشانی لہجہ، مشرق میں بلوچی زبان کا مشرقی لہجہ اور سندھی زبان، شمال میں پشتو اور بلوچی، جبکہ جنوب میں بلوچی و سندھی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ مجموعی طور پر چاروں طرف سے بلوچی زبان سے گھری رہنے کی وجہ سے یہ زبان اپنی ہمسایہ زبانوں میں سب سے زیادہ بلوچی سے متاثر ہوئی ہے۔

2- لہجے

قلات، خان آف قلات کی حکومت کا دارالخلافہ اور براہویوں کا مرکز رہا ہے۔ بلوچستان اور دوسرے علاقوں کی مختلف جگہوں سے براہوئی یہاں آ کر بستے رہے ہیں۔نواحی قلات کی براہوئی کو معیاری زبان کہا جاتا ہے۔ جھالاوان (خضدار وغیرہ کا علاقہ) کے علاوہ ساراوان کے علاقوں سبی، نصیر آباد کی براہوئی پر سندھی اثرات نمایاں ہیں۔ جھالاوان کے لوگ صدیوں سے موسم سرما میں ترک وطن کر کے سندھ جاتے ہیں۔ براہوئی زبان کو تین نمایاں لہجوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1- ساراوانی لہجہ 2- جھالاوانی لہجہ 3- رخشانی لہجہ

2.1- ساراوانی لہجہ

یہ براہوئی زبان کا علمی و ادبی لہجہ کہلاتا ہے اور مقبول عام ہونے کی وجہ سے ذرائع ابلاغ پر اس لہجے کی بالادستی ہے۔ یہ لہجہ کوئٹہ، قلات، مستونگ اور دشت کے علاوہ سبی، نصیر آباد کے علاقوں میں بھی مستعمل ہے۔

2.2- جھالاوانی لہجہ

براہوئی کا یہ لہجہ خضدار، نال و وڈھ کے علاقوں میں بولا جاتا ہے۔اس لہجے کے کئی الفاظ براہوئی کے دیگر لہجوں سے بالکل مختلف ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

جھالاوانی لہجہ	ساراوانی لہجہ	اردو معنی
ڈِرکنگ	جُپنگ	پھلانگنا
چوٹ	اَیتوٹ	دوں گا
مروف	مفرو	نہیں ہوگا

2.3- رخشانی لہجہ

براہوئی کے اس لہجہ پر بھی بلوچی کے اثرات ہیں تاہم یہ لہجہ دیگر لہجوں کی نسبت کم متاثر ہے اور براہوئی زبان کی قدامت کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ یہ لہجہ نوشکی، خاران، دالبندین اور نوکنڈی کے علاوہ چاغی کے دیگر علاقوں میں مستعمل ہے۔

چند الفاظ ملاحظہ ہوں:

ساراوانی لہجہ	جھالاوانی لہجہ	رخشانی لہجہ	اردو معنی
موچڑی	موچڑی	کوش	جوتا
چائیسوس	پُہہ مسوس	تائسوس	تم جان گئے / تو نے سمجھ لیا؟

2.4- لہجوں کا فرق

براہوئی زبان کے ساراوانی لہجے میں ''ہ'' تقریباً مفقود ہے جبکہ چاغی میں بولی جانے والی زبان پر رخشانی بلوچی کا اثر نمایاں ہے، جیسے:

ساراوانی لہجہ	جھالاوانی لہجہ
باوہ (والد)	بھاوہ
ایٹ (بکری)	ہَیٹ
اُلی (گھوڑا)	ہُلی
اُولن (موٹا)	ہُولن
پرک (تتلی)	پھرک
ایلم ناسرمس (تمہارا بھائی پہنچ گیا)	اِیلم نے سرمس

رخشانی لہجہ	ساراوانی/جھالاوانی لہجہ
زُنڈنگ (بیٹھنا)	تُولنگ
زبر (اچھا)	جُوان

براہوئی زبان کے ان تین لہجوں (ساراوانی، جھالاوانی، رخشانی) میں فرق ہونے کے باوجود براہویوں کو ان کے سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی تاہم رخشانی لہجے میں ''ہ'' کی عدم دستیابی، جھالاوانی لہجے میں مستعار سندھی الفاظ اور آوازیں اور ساراوانی لہجے پر فارسی کا اثر نمایاں ہے۔

3- حروف تہجی

براہوئی زبان کے اصل بنیادی حروف تہجی درج ذیل ہیں۔

ا۔ب۔بھ پ۔پھ ت۔تھ ٹ۔ٹھ ج۔جھ چ۔چھ خ

د۔دھ ڈ۔ڈھ ر۔رھ ڑ ز ژ س ش غ

ف ک۔کھ گ۔گھ ل۔لؕ م ن و ہ ء ی ے۔

بعدازاں ان میں عربی اور فارسی اثرات کی وجہ سے مندرجہ ذیل حروف بھی شامل ہو گئے:

ث ح ذ ص ض ط ظ ع ق

مخصوص صوتیہ ''لؕ''

براہوئی کے اس مخصوص ل کی آواز میک گل یونیورسٹی کے ڈاکٹر بارکر کے قول کے مطابق امریکہ کے ریڈ انڈینز کے لہجے میں پائی جاتی ہے۔ اس کا تلفظ سوائے اصلی براہوئی کے کوئی دوسرا شخص ادانہیں کرسکتا۔ سر ڈینس برے نے Lh کے ذریعے اس مخصوص براہوئی حرف کی ترجمانی کی ہے۔ اس کے نزدیک یہ آواز حائے مخلوطی کی تند آواز ہے جو زبان کے تالو کے کنارے پھرانے' اس کے گدی کو دانتوں کی جڑوں سے لگائے رکھنے اور منہ کے دونوں کناروں سے کچھ زور لگا کر آواز نکالنے سے وجود میں آتی ہے۔ آواز کا یہ زور مسلسل اور یکساں نہیں ہوتا بلکہ کبھی دہن کے ایک طرف زیادہ ہوتا ہے' کبھی دوسری طرف۔(ح۔11)

یہ مخصوص ''لؕ'' کسی لفظ کی ابتدا میں نہیں آتا بلکہ آخر میں یا درمیان میں آتا ہے۔ چند الفاظ ملاحظہ ہوں:

تیلؕ۔بچھو سیلؕ۔موسم سرما خلؕ۔درد

پالؕ۔دودھ پلؕنگ۔دبانا۔نچوڑنا

4- رسم الخط

تاریخی شواہد کی کمی کی وجہ سے سردست ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ براہوئی زبان نے کب سے تحریری شکل اختیار کی۔ براہوئی ازمنہ قدیم میں ہیروغلفی طرز پر لکھی جاتی تھی۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ موہنجوداڑو کا رسم الخط براہوئی کا قدیم ترین رسم الخط ہے۔ اس سلسلے میں تحقیق جاری ہے اور کچھ کامیابیاں بھی ہوئی ہیں۔ البتہ آج سے دو ہزار برس پیشتر یہ زبان خروشتی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی۔ اسلام کے بعد عربی اور فارسی رسم الخط رائج ہوئے۔

کجولا کدفیزس (40ء تا78ء) کے دور کے جو آثار قدیمہ افغانستان سے دریافت ہوئے ہیں (ح۔12) ان میں براہوئی، خروشتی رسم الخط میں تحریر ہے۔ کجولا کدفیزس کی سلطنت مشرق میں دریائے سندھ اور جہلم تک، شمال میں سغدیانہ (منطقہ بخارا وسمرقند) تک اور مغرب میں پارتھیا (خراسان) کے علاقہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ قوی قیاس ہے کہ اس کی سلطنت کے جنوبی حصے میں توران (قلات) کا علاقہ شامل تھا۔

اس بادشاہ کے دور کے ایک سکے پر ایک طرف بادشاہ تخت نشین ہے، دوسری طرف ''مہش وارا'' مضروب ہے۔ اس کا ترجمہ ایک فرانسیسی عالم موسیو فوشہ نے ''پہاڑوں کا مالک'' کیا ہے۔ یہ کلمہ براہوئی زبان کا ہے۔ مہش یا مَش براہوئی میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔ اور ''وارا'' والا کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ لہٰذا براہوئی میں اس کا لفظی ترجمہ ''پہاڑوں والا'' اور محاورہ کے لحاظ سے اس کے معنی پہاڑوں کے مالک کے ہیں۔ اس سکے پر جس طرف بادشاہ تخت نشین دکھایا گیا ہے، اس کے اردگرد خروشتی میں یہ جملے تحریر ہیں:

مہاراجا، راجادا، راجاسا، دواپوترا سے، کا جولا کادفزاسا

ماہرین آثار قدیمہ نے ان جملوں کا ترجمہ یوں کیا ہے:

مہاراجا، راجاؤں کا راجا، آسمان کا بیٹا، کا جولا کدفیزس

یہ جملے معمولی تغیر حرفی کے بعد براہوئی کے ہو سکتے ہیں مثلاً ''سا'' کی بجائے ''سے'' اور ''دا'' کی بجائے ''تا'' پڑھیں تو یہ جملے اس طرح پڑھے جائیں گے:

مہاراجا سے، راجا تا راجا سے، دواپوترا سے، کا جولا کدفیزا سے۔ اب ان کا ترجمہ سوائے دواپوترا کے یوں ہوگا:

مہاراجا ہے، راجاؤں کا راجہ ہے، دواپوترا ہے، کا جولا کدفیزس ہے۔

(**نوٹ**: ہندکو کی ابتدائی تحریر کے حوالے سے پروفیسر خاطر غزنوی نے بھی اشوک کے زمانے کے ایک کتبے کا حوالہ دیا ہے جو ٹیکسلا کے قریب آرہ کے مقام سے دریافت ہوا۔ اس پر بھی تقریباً تقریباً یہی عبارت درج ہے۔ مرتب)

اسی دور کے ایک اور سکے پر بادشاہ کا نصف دھڑ نمایاں ہے۔ اس کا رخ دائیں جانب ہے اور یہ الفاظ مضروب ہیں:

"بازیلوس اومو کدفیزس"

ترجمہ: بادشاہ اوموکدفیزس

اس سکے کی دوسرے طرف "مہش وارا" کی مورت کے اردگرد یہ جملے مضروب ہیں:

"مہاراجا' راجاداراجاسا' ساروالوکا سا' ایشواراسا' مہش واراسا' ہیما کپتی شاسا"۔

ان جملوں کو بھی ہم متذکرہ تغیر حرفی یعنی "سا" کے بجائے "سے" کے بعد یوں پڑھیں گے:

"مہاراجا سے، راجاتا راجا سے، سار والوکو سے"۔

"ایشوارا سے، مہش وارا سے، ہیما کپتی شا سے"۔

اب ان جملوں کا ترجمہ یوں ہوگا:

مہاراجا ہے، راجاؤں کا راجا ہے، صاحب فہم وادراک ہے۔

ایشورا ہے (آج کل براہوئی میں مستعمل نہیں ہے) پہاڑوں کا مالک ہے۔

ہیما کپتی (کدفیزس) بادشاہ ہے۔

ایک اور شاہی مُہر میں جس کا عکس تاریخ کوہ زاد میں چھپا ہے، یہ حروف کندہ ہیں:

"راجااس مش والااس"۔

ان براہوئی حروف کے معنی یہ ہیں:

راجا تھا پہاڑوں والا تھا۔

فرانسیسی عالم موسیو مونیہ نے موسیو ہاکن کی زیرسرپرستی 1937ء اور 1959ء میں افغانستان کے شہر بگرام کے شمالی کھنڈرات میں جو کوہ پہلوان کے شمال میں واقع ہے "شالوکیا" کے نام سے ایک بدھ مندر کا انکشاف کیا ہے۔ فارسی زبان میں اس معبد شالوکیا کا ترجمہ "معبد شترک" یعنی اونٹ کا مندر کیا گیا ہے۔ براہوئی میں "لوک" نر اونٹ کو کہتے ہیں اور "شا" اس زبان میں بڑے کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ شاجن، شاجو، شامیر، شازور وغیرہ۔ اسی طرح شالوک کے معنی نر اونٹ کے ہیں۔ مخفی نہ رہے کہ براہوئی زبان کا یہی لفظ "شا" ساسانیوں کی زبان میں آکر "شاہ" بنا۔ الغرض "شاہ جو" سے "شا جویا" (بڑی ندی والا)، خن سے خنیا (آنکھوں والا)، نت (پاؤں) سے نتیا (پاؤں والا)، بیش (گدھا) سے بیشیا (گدھوں والا) کی طرح شالوک سے شالوکیا (بڑے نر اونٹ والا) براہوئی زبان کے قواعد کے مطابق اسم صفت اور ٹھیٹھ براہوئی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور معبد پیلوسرہ بھی دریافت ہوا ہے۔ جسے اسی نام کے پہاڑ کے دامن میں مہاراجا اشوک نے تعمیر کیا تھا۔ آج کل افغانستان کا یہ پہاڑ کوہ

عاشقاں کے نام سے مشہور ہے۔ چنانچہ پیلوسرہ کا ترجمہ فرانسیسی اور فارسی زبان میں ''فیل سر'' کیا گیا ہے۔ پیلوسرہ دو اسموں پیل اور سرہ کا مرکب ہے اور براہوئی میں مستعمل ہے۔ براہوئی میں ''پیل'' ہاتھی کو اور ''سرہ'' سر کو کہتے ہیں۔ (ح۔13)

ان تاریخی شواہد کی روشنی میں ہم وثوق سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ آج سے تقریباً دو ہزار سال قبل سندھ و جہلم کی وادی میں جو زبان ''بھاشا'' کے نام سے مشہور تھی، وہ یقیناً براہوئی سے قریب تر تھی۔ کجولا کدفیزس اور کنشکا اور اس خاندان کے دوسرے بادشاہوں کے دور میں سرزمین گندھارا میں، جس میں توران (قلات) کا بھی بیشتر حصہ شامل تھا، یہی زبان رائج رہی ہوگی۔ ان کے علاوہ چندر گپت کے بعض سکوں پر بھی براہوئی عبارت پائی گئی ہے (ح۔14) اب تک ہمیں آٹھویں صدی کی کئی براہوئی کتابیں بھی ملی ہیں جن میں عربی اور فارسی دونوں رسم الخط ملتے ہیں۔ مکتبہ درخانی نے عربی رسم الخط کو ترجیح دی لیکن جدید دور میں فارسی رسم الخط مقبول ہو گیا ہے۔

5- براہوئی اور اردو کے بین اللسانی روابط

براہوئی، دراوڑی السنہ کی زبان ہونے کی وجہ سے اردو سے صدیوں پیشتر یہاں بولی جاتی تھی۔ جب آریا آئے تو ان کی زبان اور دروڑی زبانوں میں میل ملاپ شروع ہو گیا اسلئے اردو اور براہوئی کا تعلق ایک دوسرے سے ازمنہ قدیم سے چلا آ رہا ہے (ح-15)۔ موجودہ دور میں اگرچہ اردو، بلوچستان میں انیسویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں انگریزی دور میں پہنچی لیکن اس ایک صدی میں اس نے براہوئی کو کافی متاثر کیا۔ اردو کی دیکھا دیکھی براہوئی ادباء و شعراء نے بھی اردو رسم الخط کو اپنایا۔ ڈرامہ، افسانہ، ناول اردو ہی کے ذریعے براہوئی میں متعارف ہوئے۔ اردو نے براہوئی شعری مزاج کو بھی متاثر کیا، جب ہم دونوں زبانوں کے لغات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں مشترک الفاظ، صوتی تغیرات والے الفاظ، صوتی تقلیب، معنوی تغیرات والے الفاظ کی ایک لمبی فہرست نظر آتی ہے۔ اس ضمن میں چند الفاظ ملاحظہ ہوں:

اردو	براہوئی
پولا (اندر سے کھوکھلا)	پولو
باگ (گھوڑے کی لگام)	وَاگ
بار (مرتبہ/دفعہ)	وَار
بل (مروڑ، پیچ)	وَل
باٹ	وَٹ
بیوپار	وَاپار

دادا	ڈاڈا
دکھ	ڈُکھ
ٹُنڈ (کٹا ہوا ہاتھ)	ٹُنٹ
اری (عورت کے لئے حرف ندا)	اَڑی
ڈنک	ڈُنگ
رگ	رَغ
ببول	بَیر
لوٹ	لُٹ
ڈوئی	ڈَو
پھیکا	پھُکا
کاغذ	کاغد

براہوئی اور اردو کے قواعد صرف ونحو میں تقریباً یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اردو میں مسند الیہ پہلے آتا ہے' اور مسند بعد میں آتا ہے' یہی قاعدہ براہوئی میں بھی مروج ہے۔ قدیم اردو میں صفت کے ساتھ لاحقہ ''ک'' لگایا جاتا تھا' یہ قاعدہ براہوئی میں اب تک مستعمل ہے۔ مثلاً نیلک (نیلا) پیلک (پیلا)۔

براہوئی میں جمع بنانے کے لئے ''ک'' اور ''اک'' کا لاحقہ لگتا ہے۔ جمع بنانے کا یہ قاعدہ قدیم اردو میں بھی ملتا ہے۔ واحد غائب کے لئے اردو میں ''وہ'' اور براہوئی میں ''او'' مستعمل ہے۔ اردو ''ہے'' اور براہوئی ''اے'' کا ماخذ ایک ہے۔ ماضی مطلق بنانے کے لئے اردو اور براہوئی دونوں زبانوں میں یہ قاعدہ ہے کہ علامت مصدر کو دور کرنے کے بعد الف کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ مضارع میں واحد غائب کا طریقہ دونوں زبانوں میں تقریباً یکساں ہے یعنی مصدر کی علامت دور کرنے کے بعد اگر الف یا واؤ باقی رہے تو ''ئے'' بڑھا دیا جاتا ہے ورنہ صرف ''ے'' بڑھا دیتے ہیں۔ براہوئی میں مؤخر الذکر قاعدہ مروج ہے' فعل امر بنانے کے لئے دونوں زبانوں کا قاعدہ ایک ہے یعنی فعل امر بنانے کے لئے علامت مصدر دور کردی جاتی ہے۔ (ح-16) تدریسی زبان ہونے کی وجہ سے اردو نے براہوئی کو بے حد متاثر کیا ہے اور روزمرہ الفاظ' محاورے اور تراکیب تک براہوئی میں مستعمل ہوتے جارہے ہیں اور اس وقت اردو الفاظ کی ایک کثیر تعداد براہوئی میں بھی مروج ہے۔

6- چند بنیادی قواعد

تذکیروتانیث:

براہوئی میں تذکیروتانیث کے اصول نہایت آسان ہیں۔ بے جان اسموں کے لئے تذکیروتانیث کا استعمال نہیں جبکہ جاندار اسموں میں مذکر اور مؤنث کے لئے الگ الگ اسم موجود ہیں اور جن اسموں کے لئے ایسا نہیں وہاں اسم کے شروع میں ''نر'' اور ''مادہ'' لگا کر مذکر اور مؤنث کا فرق ظاہر کیا جاتا ہے۔ براہوئی میں اسم کی تذکیروتانیث کا فعل پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ دونوں صورتوں میں فعل فارسی کی طرح ایک ہی جیسا استعمال ہوتا ہے۔

جاندار اسموں کی تذکیروتانیث کی تین صورتیں ہیں۔

1- مذکر اور مؤنث کے لئے الگ الگ اسموں کا استعمال۔

2- مذکر اور مؤنث کے شروع میں ''نر'' اور ''مادہ'' لگا کر تذکیروتانیث کا فرق ظاہر کرنا۔

3- مذکر اور مؤنث کے لئے مشترک اسموں کا استعمال۔

مذکر		مؤنث	
براہوئی	اردو	براہوئی	اردو
مار	لڑکا	مَسِٹر	لڑکی
خواجہ	صاحب	گودی	خاتون
اِیلم	بھائی	اِیڑھ	بہن
باوہ	باپ	لُمہ	ماں
خڑ	دُنبہ	ہر	دنبی
اَرِغ	خاوند	زائیفہ	بیوی

''نر'' اور ''مادہ'' لگانے سے تذکیروتانیث کا فرق ظاہر کرنا:

براہوئی میں اسموں کی کافی تعداد ایسی ہے جن کی تذکیروتانیث اسم کے شروع میں ''نر'' اور ''مادہ'' لگا کر ظاہر کی جاتی ہے مثلاً:

مذکر		مؤنث	
براہوئی	اردو	براہوئی	اردو
نرخاخو	کوّا	مادہ خاخو	کوّی

نرشیر	شیر	مادہ شیر	شیرنی
نریان	گھوڑا	مادیان	گھوڑی
نرکگو	چکور	مادہ کگو	چکوری

مذکر اور مؤنث کے لئے مشترک اسم:

براہوئی میں مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہونے والے مشترک اسم مثلاً:

مذکر		مؤنث	
براہوئی	اردو	براہوئی	اردو
بندغ	لوگ، انسان	ہُلی	گھوڑا، گھوڑی
ہل	چوہا، چوہیا	ہیش	گدھا/گدھی
پِشی	بلی	چُک	پرندہ

فعل:

براہوئی میں بھی بلوچی کی طرح فعل جملے کے آخر میں آتا ہے اور چار مختلف حالتیں ظاہر کرتا ہے۔

-1 کسی کام کے مثبت یا منفی حالت میں انجام پانے کا بیان۔

جیسے:

چِٹی بس	(خط آیا/پہنچا)	مثبت حالت
چِٹّی بتو	(خط نہیں آیا/نہیں پہنچا)	منفی حالت

-2 فاعل کو واضح کرتا ہے۔

جیسے:

او اینو بس	(وہ آج آیا)	فاعل غائب

-3 فاعل کے واحد یا جمع ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

جیسے:

او ہِنا سُس	(وہ گیا تھا/گئی تھی)	واحد
اوہنا سُر	(وہ گئے تھے/گئیں تھیں)	جمع

-4 زمانے کی نشاندہی کرتا ہے۔

اُو پاریسُوس	(اس نے کہا تھا)

فعل حال:

وہ فعل جس میں کسی کام کا کرنا یا ہونا زمانہ حال میں پایا جائے۔

جیسے:

خُوانِک (پڑھتا ہے)' بریک (آتا ہے)

بنانے کا قاعدہ:

براہوئی میں علامت مصدر ''انگ'' ہٹا کر ''ک'' بڑھا کر اور ساتھ زیر لگا کر پڑھنے سے فعل حال کا صیغہ واحد غائب بنے گا۔ مثلاً مصدر خُوانگ (پڑھنا) سے علامت مصدر ''انگ'' ہٹانے سے ''خوان'' رہ گیا۔ ''ک'' بڑھا کر زیر سے پڑھنے پر صیغہ واحد غائب' خوانِک (پڑھتا ہے) حاصل ہوا۔

فعل حال کی گردان:

خوانگ (پڑھنا) مصدر سے فعل حال کی گردان:

واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
خُوانک	خوانِرہ	خُوانیسہ	خُوانِرے	خُوانوہ	خُوانیسہ
(پڑھتا ہے)	(پڑھتے ہیں)	(پڑھتے ہو)	(پڑھتے ہیں)	(پڑھتا ہوں)	(پڑھتے ہیں)

فعل حال جاری:

وہ فعل جس میں کسی کام کا کرنا یا ہونا حال میں جاری پایا جائے۔

جیسے:

خُواننگٹی ءِ (پڑھ رہا ہے/رہی ہے)   بننگٹیءِ (آرہا ہے/آرہی ہے)

بنانے کا قاعدہ:

مصدر میں کوئی تبدیلی کئے بغیر اس میں ''ٹی'' بڑھا کر آخر میں ''ءِ'' لگا کر پڑھنے سے واحد غائب کا صیغہ بنے گا۔ مثلاً مصدر خوانگ (پڑھنا) میں ''ٹی'' لگانے سے ''خوانگٹی'' اور ''ءِ'' بڑھانے سے ''خوانگٹی ءِ'' (پڑھ رہا ہے/پڑھ رہی ہے) ہوا۔ باقی صیغوں کے لئے ''ٹی'' کے بعد مندرجہ ذیل اضافے کئے جاتے ہیں۔ مثلاً:

واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
ءِ	ءُ	اُس	اُرے	اُٹ	اُن
(ہے)	(ہیں)	(ہو)	(ہو۔جمع)	(ہُوں)	(ہیں)

خوانگ (پڑھنا) مصدر سے فعل حال جاری کی گردان:

خوانگٹیء	خوانگٹیءُ	خوانگٹی اُس
(پڑھ رہا ہے)	(پڑھ رہے ہیں)	(پڑھ رہے ہو)
خوانگٹی اُرے	خوانگٹی اُٹ	خوانگٹی اُن
(پڑھ رہے ہو۔ جمع)	(پڑھ رہا ہوں)	(پڑھ رہے ہیں۔ جمع)

فعل حال نہی:

وہ فعل جس میں کسی کام کا نہ کرنا یا نہ ہونا حال کے زمانے میں پایا جائے مثلاً خُـوانپک (نہیں پڑھتا ہے/نہیں پڑھتی ہے) اُرپک (نہیں دیکھتا ہے/نہیں دیکھتی ہے) وغیرہ۔

بنانے کا قاعدہ:

فعل حال بنانے کے لئے علامت مصدر ہٹا کر جو اضافے کیے جاتے ہیں' ان میں جمع غائب اور واحد متکلم کو چھوڑ کر باقی تمام صیغوں میں ان اضافوں سے پہلے ''پ'' لگانے سے فعل حال نفی بنتا ہے۔

جمع غائب کے صیغے میں ''و''، ''س'' میں بدل جاتا ہے۔ واحد متکلم میں ''و''، ''ر'' میں بدل جاتا ہے۔ فعل حال نہی میں واحد حاضر اور جمع حاضر کے صیغوں کو چھوڑ کر باقی چاروں صیغے ''زبر'' لگا کر پڑھے جاتے ہیں۔ واحد حاضر اور جمع حاضر کے صیغوں میں فعل ''زیر'' کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ مثلاً مصدر تولنگ (بیٹھنا) سے فعل حال کی گردان:

واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
تولِک	تولرہ	تولِیسہ	تولرے	تولِوہ	تولِنہ
(بیٹھتا ہے)	(بیٹھتے ہیں)	(بیٹھتے ہو)	(بیٹھتے ہیں)	(بیٹھتا ہوں)	(بیٹھتے ہیں)

''تولنگ'' (بیٹھنا) مصدر سے فعل حال نہی کی گردان:

واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
تولپک	تولپسہ	تولپیسہ	تولپیرے	تولپرہ	تولپنہ
(نہیں بیٹھتا ہے)	(نہیں بیٹھتے ہیں)	(نہیں بیٹھتے ہو)	(نہیں بیٹھتے ہیں)	(نہیں بیٹھتا ہوں)	(نہیں بیٹھتے ہیں)

فعل حال جاری نہی:

وہ فعل جس میں کسی کام کا نہ کرنا یا نہ ہونا حال کے زمانے میں جاری پایا جائے۔ براہوئی میں فعل حال نہی جاری بنانے کے لئے مصدر سے علامت مصدر ہٹا کر ''ٹ'' بڑھانے کے بعد مختلف صیغوں میں یہ اضافے کئے جاتے ہیں۔

واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
اف یا افک	افس	اَفیس	افیرے	افٹ	افن
(نہیں ہے)	(نہیں ہیں)	(نہیں ہو)	(نہیں ہو)	(نہیں ہوں)	(نہیں ہیں)

اوپر کے قاعدے کے مطابق ''خواننگ'' (پڑھنا) مصدر سے فعل حال نہی جاری کی گردان یوں ہوگی۔

خُواننگٹی اف	خواننگٹی افس	خواننگٹی افیس
(پڑھ نہیں رہا ہے)	(پڑھ نہیں رہے ہیں)	(پڑھ نہیں رہے ہو)
خواننگٹی افیرے	خواننگٹی افٹ	خواننگٹی افن
(پڑھ نہیں رہے ہو۔ جمع)	(پڑھ نہیں رہا ہوں)	(پڑھ نہیں رہے ہیں)

فعل مستقبل:

وہ فعل جس میں کسی کام کا کرنا یا ہونا آنیوالے زمانے میں پایا جائے۔

جیسے: کنوئے (کھائیگا)، بروئے (آئیگا)

بنانے کا قاعدہ:

براہوئی میں فعل مستقبل بنانے کے لئے علامت مصدر ہٹا کر ''وئے'' لگانے سے فعل مستقبل کا واحد غائب کا صیغہ بنے گا۔ مثلاً ''کننگ'' (کھانا) مصدر سے علامت مصدر ''نگ'' ہٹانے پر اور ''وئے'' لگانے پر ''کنوئے'' (کھائیگا) فعل مستقبل کا واحد غائب کا صیغہ بنا۔ باقی صیغوں میں علامت مصدر ہٹانے کے بعد یہ اضافے کیے جاتے ہیں۔

واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
وئے	ور	وس	ورے	وٹ	ون
کنوئے	کنور	کنوس	کنوٗرے	کنوٹ	کنون
(کھائے گا)	(کھائیں گے)	(تُو کھائے گا)	(تم کھاؤ گے)	(میں کھاؤں گا)	(ہم کھائیں گے)

فعل مستقبل نہی:

وہ فعل جس میں کسی کام کا نہ ہونا آنیوالے زمانے میں پایا جائے۔

جیسے: کنپروئے (نہیں کھائے گا)، خنپروئے (نہیں دیکھے گا)

بنانے کا قاعدہ:

فعل مستقبل بنانے کے لئے علامت مصدر ہٹانے پر مختلف صیغوں کے لئے اضافوں سے پہلے ''پر'' لگانے سے فعل مستقبل نفی حاصل ہوگا۔ مثلاً ''خُوانگ'' (پڑھنا) مصدر سے علامت مصدر ہٹانے پر ''خوان'' باقی رہ گیا۔ اس میں ''پر'' بڑھا کر ''وئے'' لگانے سے مستقبل نہی کا واحد غائب کا صیغہ حاصل ہوگا یعنی خُوانپروئے (نہیں پڑھے گا)' باقی صیغوں کی گردان یوں ہوگی۔

واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
خُوانپروئے	خوانپرور	خوانپروس	خوانپرورے	خوانپروٹ	خوانپرون
(نہیں پڑھے گا)	(نہیں پڑھیں گے)	(تونہیں پڑھے گا)	(تم نہیں پڑھوگے)	(میں نہیں پڑھوں گا)	(ہم نہیں پڑھیں گے)

فعل ماضی:

وہ فعل جس میں کسی کام کا کرنا یا ہونا گزرے ہوئے زمانے میں پایا جائے۔

مثلاً ''ہنا'' (گیا)، ''ختا'' (دیکھا)

فعل ماضی مطلق:

وہ فعل ماضی ہے جو گزشتہ زمانے میں قریب و دور کی قید کے بغیر کسی کام کے واقع ہونے پر دلالت کرے جیسے ''او کاریم کرے'' (اس نے کام کیا)' اس فقرے میں کام کا ہونا تو ظاہر ہوتا ہے لیکن یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ کام کب ہوا۔ آیا اسے واقع ہوئے کافی عرصہ ہوا یا کم۔

بنانے کا قاعدہ:

براہوئی میں فعل ماضی مطلق بنانے کا کوئی خاص قاعدہ نہیں۔ مختلف مصادر مختلف طریقوں سے بدل کر فعل ماضی مطلق کے معنی ادا کرتے ہیں۔ قاعدوں کی مثالیں یہ ہیں۔

(1) مصدر کی علامت مصدر ہٹا کر ''الف'' کا اضافہ کرنے سے فعل ماضی مطلق کا واحد غائب کا صیغہ حاصل ہوگا۔ مثلاً ''پرِغنگ'' (توڑنا) مصدر سے علامت مصدر ہٹانے پر ''پرِغ'' رہ گیا اور اس میں ''الف'' بڑھانے سے ''پرِغا'' (توڑا) فعل ماضی مطلق کا صیغہ واحد غائب بنا۔ باقی صیغوں میں ''الف'' کے بعد درج ذیل حروف کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
ا	ر	س	رے	ٹ	ن

''پرغنگ'' (توڑنا) سے فعل ماضی مطلق کی گردان:

پرغا	پرغار	پرغاس	پرغارے	پرغاٹ	پرغان
(اس نے توڑا)	(انہوں نے توڑا)	(تو نے توڑا)	(تم نے توڑے)	(میں نے توڑا)	(ہم نے توڑے)

(2) علامت مصدر ہٹا کر ''ک'' بڑھانے سے۔ مثلاً خلنگ (مارنا) سے خلک (مارا) ماضی مطلق کا صیغہ واحد غائب بنا۔ باقی صیغوں میں پہلے قاعدے کے مطابق اضافے کیے جاتے ہیں۔

خلنگ (مارنا) مصدر سے فعل ماضی مطلق کی گردان:

واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
خَلک	خلکُر	خلکُس	خلکورے	خلکٹ	خلکن
(اس نے مارا)	(انہوں نے مارا)	(تو نے مارا)	(تم نے مارے)	(میں نے مارا)	(ہم نے مارا)

(3) علامت مصدر ہٹا کر ''س'' بڑھانے سے۔ جو مصادر علامت مصدر ہٹانے کے بعد ''ن'' پر ختم ہوتے ہوں انہیں فعل ماضی مطلق بنانے کے لئے آخری ''ن'' کو ''س'' میں بدلنے سے واحد غائب کا صیغہ حاصل ہوگا۔ باقی صیغوں میں گزرے ہوئے قاعدوں کے مطابق اضافے کیے جاتے ہیں۔ مثلاً مصدر بننگ (آنا) سے علامت مصدر ہٹانے پر ''بن'' باقی رہ گیا جو ''ن'' پر ختم ہوتا ہے ''ن'' کو ''س'' میں بدلنے سے بس (آیا) فعل ماضی مطلق کا صیغہ واحد غائب حاصل ہوا۔ باقی صیغوں کی گردان یوں ہوگی۔

واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
بس	بَسُر	بسوس	بَسُرے	بسُٹ	بسُن
(آیا)	(آئے)	(تو آیا)	(تم آئے)	(میں آیا)	(ہم آئے)

فعل ماضی مطلق نہی:

اس کے لئے علامت مصدر ہٹا کر ''تو'' بڑھانے سے فعل ماضی مطلق کا صیغہ واحد غائب حاصل ہوگا۔ مثلاً خُوانںگ (پڑھنا) مصدر سے علامتِ مصدر ہٹا کر ''تَو'' لگانے سے ''خوان تَو'' (نہیں پڑھا) ماضی مطلق کا صیغہ واحد غائب بنا۔ باقی صیغوں میں تبدیلیاں یوں ہوں گی۔

واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
تَو	تَوس	تویس	تَویرے	تَوٹ	تَون

خوانِنگ (پڑھنا) مصدر سے فعل ماضی مطلق نہی کی گردان:

خوانتَو	خوان تَوس	خوانتَویس
(اس نے نہیں پڑھا)	(انہوں نے نہیں پڑھا)	(تو نے نہیں پڑھا)
خوانتَویرے	خوان تَوٹ	خوان تَون
(تم نے نہیں پڑھا)	(میں نے نہیں پڑھا)	(ہم نے نہیں پڑھا)

ماضی قریب:

وہ ماضی جو قریب کے گزرے ہوئے زمانے میں کسی کام کے ہونے کو ظاہر کرے۔

جیسے: اوبسو نے (وہ آیا ہے)

بنانے کا قاعدہ:

فعل ماضی مطلق کے آخر میں ''نے'' بڑھانے سے ماضی قریب کا واحد غائب کا صیغہ بنے گا۔ مثلاً مصدر ''خاچنگ'' (سونا) سے ماضی مطلق کا واحد غائب کا صیغہ ہوا۔ ''خاچا'' (سویا) اس میں ''نے'' بڑھانے سے ''خاچانے'' (سویا ہے) ماضی قریب کا واحد غائب کا صیغہ حاصل ہوا۔ باقی صیغوں میں تبدیلیاں یوں ہوں گی۔

واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
نے	نو	نُس	نرے	نُٹ	نُن

خاچنگ (سونا) سے فعل ماضی قریب کی گردان:

خاچانے	خاچانو	خاچانس	خاچانُرے	خاچانُٹ	خاچانُن
(وہ سویا ہے)	(وہ سوئے ہیں)	(تو سویا ہے)	(تم سوئے ہو)	(میں سویا ہوں)	(ہم سوئے ہیں)

ماضی قریب نہی:

براہوئی میں ماضی قریب نہی بنانے کے لئے علامت مصدر ہٹا کر ''تنے'' لگانے سے ماضی قریب نہی کا واحد غائب کا صیغہ حاصل ہوگا۔ جیسے خوانگ (پڑھنا) مصدر سے علامت مصدر ہٹانے پر ''خوان'' رہ گیا۔ ''تنے'' بڑھانے سے ''خوان تنے'' (پڑھا نہیں ہے) ہوا جو کہ ماضی قریب نہی کا صیغہ واحد غائب ہے۔ باقی صیغوں میں تبدیلیاں یوں ہوں گی۔

خوانگ (پڑھنا) مصدر سے ماضی قریب نہی کی گردان:

واحد غائب	جمع غائب
خوان تنے	خوان تنو
(اس نے نہیں پڑھا ہے)	(انہوں نے نہیں پڑھا ہے)

واحد حاضر	جمع حاضر
خوان تنس	خوان تنُرے
(تو نے نہیں پڑھا ہے)	(ہم نے نہیں پڑھا ہے)
واحد متکلم	جمع متکلم
خوان تنُٹ	خوان تنن
(میں نے نہیں پڑھا ہے)	(ہم نے نہیں پڑھا ہے)

فعل ماضی بعید:

وہ ماضی جو دور کے گزرے ہوئے زمانے میں کسی کام کے واقع ہونے کو ظاہر کرے۔ مثلاً کنکس (تو نے کھایا تھا) خناس (تو نے دیکھا تھا)

بنانے کا طریقہ:

فعل ماضی مطلق کے صیغہ واحد غائب میں ''سُس'' بڑھانے سے فعل ماضی بعید کا صیغہ واحد غائب بنے گا۔ مثلاً ہنا (گیا) فعل ماضی مطلق واحد غائب میں ''سُس'' بڑھانے سے ''ہناسُس'' (تو گیا تھا) ماضی بعید کا واحد غائب کا صیغہ بنا۔ باقی صیغوں میں تبدیلیاں حسب ذیل ہوں گی۔

واحد غائب	جمع غائب	واحد حاضر	جمع حاضر	واحد متکلم	جمع متکلم
سُس	سُر	سُس	سُرے	سُٹ	سُن

اِنگ (جانا) مصدر سے اوپر کے قاعدے کے مطابق فعل ماضی بعید کی گردان:

ہناسُس	ہناسُر	ہناسُس	ہناسُرے	ہناسُٹ	ہناسُن
(وہ گیا تھا)	(وہ گئے تھے)	(تو گیا تھا)	(تم گئے تھے)	(میں گیا تھا)	(ہم گئے تھے)

مصدر:

مصدر اس اسم کو کہتے ہیں جو کسی اور لفظ سے نہ بنے مگر اس سے اور لفظ بن سکیں۔ براہوئی میں مصدر کی پہچان آسان ہے اور اس میں جتنے بھی مصادر ہیں وہ سب لاحقہ ''اِنگ'' (ING) پر ختم ہوتے ہیں مثلاً پانگ (بولنا) تولنگ (بیٹھنا) تخنگ (رکھنا) اُنگ (دیکھنا) وغیرہ۔

مصدر کی قسمیں بلحاظ بناوٹ:

بناوٹ کے لحاظ سے مصدر کی دو قسمیں ہیں۔

(1) وضعی مصدر: وہ مصدر جو اصل میں مصدری معنی کے لئے بنایا گیا ہو جیسے: پنگ (ٹوٹنا) بیننگ (پہننا) وغیرہ

(2) غیر وضعی مصدر: وہ مصدر جو اصل میں مصدر نہ ہو بلکہ علامت مصدر بڑھانے سے مصدر کے معنی دے مثلاً پدی منگ (پیچھے ہٹنا) توارکننگ (آواز دینا) وغیرہ۔

اسم مشتق:

وہ اسم جو مصدر سے بنے مثلاً کُننگ (کھانا) مصدر سے "کُنوك" (کھانے والا) وغیرہ۔

بنانے کے قاعدے:

(1) مصدر کی علامت "انگ" ہٹا کر "وک" بڑھانے سے اسم مشتق بنتا ہے۔ مثلاً خلنگ (مارنا) مصدر سے علامت مصدر "انگ" ہٹا کر "وک" بڑھانے سے خلوک (مارنے والا) اسم مشتق بنا۔ اسی طرح ہوغنگ (رونا) سے' ہوغوک (رونے والا)' مخنگ (ہنسنا) سے' مخوک (ہنسنے والا)۔

(2) جو مصادر علامت مصدری ہٹانے کے بعد "ن" پر ختم ہوتے ہوں اور "ن" سے پہلے' م' ک یا' ڈ' ہو۔ ایسے مصادر کو مشتق بناتے وقت "ن" ہٹا کر اس میں "روک" کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

مثلاً بال کنگ (اڑنا' پرواز کرنا) مصدر سے علامت مصدر ہٹانے پر "بال کن" رہ گیا "ن" سے پہلے چونکہ "ک" ہے اس لئے "بال کروک" (اڑنے والا) اسم مشتق بنا۔ مشتق بنانے کے لئے "ن" ہٹا کر اس میں "روک" کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً: بش منگ (اٹھنا/ جاگنا) سے بش مروک (اٹھنے والا) وغیرہ

ضمیر:

وہ اسم جو کسی نام کی جگہ استعمال ہو مثلاً او کُنگ (اس نے کھایا)' نی بریسہ (تم آتے ہو) ان فقروں میں او (اُس) اور نی (تم) ضمائر ہیں۔

ضمیر شخصی: ضمیر شخصی وہ اسم ہے جو کسی شخص کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ضمیر شخصی کی تین صورتیں ہیں۔

(الف) ضمیر غائب:

ضمیر غائب ایسے شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کے متعلق بات چیت ہو رہی ہو لیکن وہ خود پاس موجود نہ ہو' براہوئی میں واحد کے لئے "او" اور جمع کے لئے "اوفک" استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً او ہنا (وہ گیا/ گئی) اوفک ہنار (وہ گئے)۔

(ب) ضمیر حاضر یا مخاطب:

ضمیر حاضر یا مخاطب ایسے شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کے متعلق گفتگو ہو رہی ہو اور وہ موجود ہو۔ براہوئی میں واحد کے لئے ''نی'' (تُو) اور جمع کے لئے ''نم (تم)'' مستعمل ہے۔ مثلاً نی دانگ ہُر (تو اُدھر دیکھ) نم پاریرے (تم نے کہا)

(ج) ضمیر متکلم:

ضمیر متکلم ایسے شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جو خود کلام کر رہا ہو۔ براہوئی میں واحد کے لئے ''ای'' (میں) اور جمع کے لئے ''نن'' (ہم) استعمال ہوتا ہے۔

مثلاً ای خناٹ (میں نے دیکھا)' نن خنان (ہم نے دیکھا)

ضمیر اشارہ:

اسے اسم اشارہ بھی کہا جاتا ہے وہ ضمیر ہے جو کسی شخص یا چیز کو اشارے کے ساتھ واضح کرے۔ براہوئی میں نزدیک کے اشارے کے لئے ''دا'' اور دور کے لئے ''اے'' استعمال ہوتا ہے۔

مثلاً دابندغ (یہ آدمی)' اے کسر (وہ راستہ)

ضمیر تاکیدی:

وہ ضمیر جو ایک صیغہ یعنی لفظ ''تیـنـٹ'' کے ساتھ تین اشخاص (متکلم' حاضر' غائب) کے لئے استعمال ہوتا ہے کبھی ''تینٹ'' کی جگہ بلوچی کی طرح ''جند'' بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

مثلاً او تینٹ کنے خنا

یا (اس نے خود مجھے دیکھا)

اونا جند کنے خنا

نی تینٹ کنے خناس (آپ نے خود مجھے دیکھا)

ای تینٹ نے پاریٹ (میں نے خود تمہیں کہا)

روزمرہ استعمال کے مصادر:

براہوئی	اردو	براہوئی	اردو
اوغنگ	رونا	مخنگ	ہنسنا
خلنگ	مارنا	اوارمننگ	شامل ہونا/ملنا
باسفنگ	گرم کرنا	بسنگ	پکانا

بش مننگ	اٹھنا/جاگنا	تفنگ	باندھنا
بہاکننگ	فروخت کرنا	بیننگ	پہننا
بارفنگ	خشک کرنا	پَٹنگ	ڈھونڈنا
پاننگ	کہنا	پِرغنگ	توڑنا
پِننگ	ٹوٹنا	پاچنگ	چھیلنا
تمنگ	گرنا	تحننگ	رکھنا
اُننگ	دیکھنا	اِلنگ	چھوڑنا
پاننگ	کہنا	شاغنگ	ڈالنا
اَلنگ	پکڑنا	تورنگ	روکنا

7- ابتدائی بول چال کے چند فقرے

اردو	براھوئی
☆ آپ کا نام کیا ہے؟	نا پن دَیرے؟
میرا نام محمد اسحاق شاہد ہے	کنا پِن محمد اسحاق شاہد اے
☆ آپ کیا کرتے ہیں؟	نی انت کیسہ؟
میں پڑھتا ہوں	ای خوانیوہ
☆ آپ کیسے ہیں؟	نی امَر اُس؟
میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے	ای اللّٰہ تعالیٰ نا فضل وکرم اٹ
بالکل ٹھیک ہوں	اصل جوڑ اُٹ
☆ اور سنائیں! آپ کا کیا حال ہے؟	پین پا! انت حال ءِ نا؟
میں بالکل خیریت سے ہوں	ای اصل دُراخ جوڑاُٹ
☆ آپ کے والد کیا کرتے ہیں؟	نا باوہ انت کیک؟
وہ ملازمت کرتے ہیں	اَو نوکری کیک
☆ آپ کا گھر یہاں سے کتنی دور ہے؟	نااُرا داکان اخس مُرے؟
زیادہ دور نہیں ہے	باز (بھاز) مُراف

یہ سڑک سیدھی میرے گھر کی طرف جاتی ہے
☆میری طبیعت ٹھیک نہیں
کیا آپ مجھے کسی ڈاکٹر کا پتہ بتا سکتے ہیں؟
آپ سرکاری ہسپتال چلے جائیں
جو کہ وہ سامنے نظر آ رہا ہے
☆گرمی بہت زیادہ ہے پیدل جانا ممکن نہیں
آیئے میں آپ کو اپنی گاڑی میں چھوڑ آتا ہوں۔
☆بہت شکریہ۔ اچھا پھر ملیں گے۔
آپ کا بھی شکریہ، خدا حافظ۔

دا کسر سِد ھا کنا اُرا نا کنڈاکائیک
کنا طلب جُوان اف
اَنت نی کنے ڈاکسر سینا ڈسء ایتنگ کیسہ؟
نی سرکاری ہسپتال ءَ اِن
او مونا خننگنگٹی ء
باسنی بھاز (باز)زیات ءِ پندٹ ہننگ مفک
بہ اِی نے تینا گاڈی ٹی سر کیو۔
بھاز منت وارُٹ' ولدانا خنینہ تینے۔
ناہم منت وارُٹ' خداغا سپاروك اُس

گنتی:

اردو	براہوئی	اردو	براہوئی
1۔ایک	اِسٹ	16۔سولہ	شانزدہ
2۔دو	اِرَٹ	17۔سترہ	ہفدہ
3۔تین	مُسٹ	18۔اٹھارہ	ہَشر دہ
4۔چار	چار	19۔انیس	نوزدہ
5۔پانچ	پنچ	20۔بیس	بیست
6۔چھ	شش	30۔تیس	سی
7۔سات	ہَفت	40۔چالیس	چل
8۔آٹھ	ہشت	50۔پچاس	پَنجاہ
9۔نو	نُہہ	60۔ساٹھ	شَست
10۔دس	دَہ	70۔ستر	ہَفتاد
11۔گیارہ	یانزدہ	80۔اَسّی	ہَشتاد
12۔بارہ	دُوانزدہ	90۔نوے	نَوَد
13۔تیرہ	سیزدہ	100۔سو	صد
14۔چودہ	چانزدہ	1000۔ ہزار	ہزار
15۔پندرہ	پانزدہ		

خود آزمائی

-1 براہوئی زبان کے آغاز وارتقاء اور لسانی گروہ کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

-2 براہوئی زبان کی ابتدا کے متعلق مختلف نظریات کی روشنی میں آپ کس نظریے سے زیادہ اتفاق کرتے ہیں؟

-3 براہوئی زبان میں دراوڑی خصوصیات پر مختصراً نوٹ لکھیں؟

-4 کونسا لہجہ براہوئی زبان کا علمی اور ادبی لہجہ کہلاتا ہے نیز سارا وانی اور جھالا وانی لہجوں کے فرق کی چند مثالیں پیش کریں؟

-5 مخصوص صوتیہ ''ڷ'' کی ادائیگی کس طرح کی جاتی ہے نیز براہوئی رسم الخط کے متعلق مختصراً بیان کریں؟

-6 براہوئی اور اردو کی لسانی ہم آہنگی کی تین مثالیں پیش کریں نیز براہوئی میں فعل ماضی کا قاعدہ بھی درج کریں؟

یونٹ نمبر 7

قدیم براہوئی ادب

تحریر: ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی
نظر ثانی: ڈاکٹر عبدالرزاق صابر

تعارف

اس یونٹ کا موضوع قدیم براہوئی ادب ہے۔ قدیم براہوئی ادب کا آغاز آٹھویں صدی ہجری سے ہوتا ہے کیونکہ اس صدی کی پہلی دہائی میں براہوئی زبان کی ایک کتاب ''خدمت دین'' کا خطی نسخہ دریافت ہوا۔ زیرنظر یونٹ میں آپ اس زبان کے تحریری ادب کے تین ادوار کے علاوہ لوک ادب کی مختلف اصناف سخن مثلاً لولی ، زہیری، لیکو ، ہلوہالو ،سوزو، برنازنا ، ننے دیرایتے ، ماہ لنج ،لیلی مور ، نازل' لال نادانہ ،لیلڑی اور مودہ کا بھی مطالعہ کریں گے ، علاوہ ازیں لوک منثور ادب کے ضمن میں براہوئی لوک کہانیوں ، محاوروں ، ضرب الامثال اور پہیلیوں کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ قدیم براہوئی ادب کی تفہیم کے لئے آپ اس یونٹ کے مطالعہ کے ساتھ مجوزہ کتب کو بھی پیش نظر رکھیں۔

مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہوجائیں گے کہ:

1- براہوئی زبان کے تحریری ادب پر اظہار خیال کرسکیں۔

2- براہوئی لوک گیتوں کے موضوعات اوران کی اقسام پر روشنی ڈال سکیں۔

3- اس زبان کے منثور لوک ادب کے بارے میں تحریر کرسکیں۔

4- براہوئی کے قادرالکلام صوفی شاعر تاج محمد تاجل کے حالات زندگی اوراس کی ادبی خصوصیات بیان کرسکیں۔

فہرست

یونٹ کا تعارف اور مقاصد	132
1- قدیم براہوئی ادب	135
2- تحریری ادب	135
2.1- پہلا دور	135
2.2- دوسرا دور	136
2.3- تیسرا دور	137
3- لوک ادب	145
3.1- منظوم لوک ادب	145
3.2- منثور لوک ادب	155
4- خود آزمائی	159

1- قدیم براہوئی ادب

قدیم براہوئی ادب، تحریری ادب اور لوک ادب پر مشتمل ہے۔تحریری ادب تین ادوار پر مشتمل ہے۔ ان ادوار میں براہوئی ادب تمام اصناف میں بتدریج ترقی کی منازل طے کرتا رہا ہے اور اب دیگر ترقی یافتہ زبانوں کے ہم پلہ ہے۔اسی طرح لوک ادب کے لحاظ سے بھی براہوئی کافی ثروت مند ہے۔ذیل کی سطور میں ان دونوں کا الگ الگ تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

2- تحریری ادب

براہوئی تحریری ادب کے مندرجہ ذیل ادوار بنتے ہیں:

پہلا دور۔خانی دور سے پہلے کا ادب

دوسرا دور۔خانی دور 1666ء سے درخانی مدرسہ کے قیام (1883ء) تک

تیسرا دور۔1883ء تا قیام پاکستان (1947ء) تک۔

2.1- پہلا دور

موجودہ تحقیقات کے مطابق ہم اس دور کی ابتدا آٹھویں صدی ہجری (تیرھویں صدی عیسوی) سے کرتے ہیں کیونکہ اس صدی کی پہلی دہائی میں براہوئی زبان کی ایک قلمی کتاب ''خدمت دین'' دستیاب ہوئی ہے۔ یہ کتاب 709ھ/1293ء کی تالیف ہے۔اس کے کل صفحات سو ہیں۔اس میں پند ونصائح ہیں۔

اسکے بعد 810 ہجری کی لکھی ہوئی ایک کتاب ''مجہول الاسم'' ملتی ہے۔اس کا نسخہ شوراوک افغانستان سے ضلع چاغی کے حضرت سید بلانوشؒ کے خاندان کے ہاتھ آیا۔اس میں ایک جگہ ایک بزرگ میچڑ کا نام آیا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ بزرگ حضرت سید بلانوشؒ کے خاندان سے تھے۔

علاوہ ازیں ہمیں دسویں صدی ہجری کی کتاب ''عملیات گہربار براہوئی'' ملتی ہے۔یہ کتاب 13 ربیع الاول 980 ہجری کی تالیف ہے۔اس کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں ہم زاد کی تسخیر، حاضرات اور دفینہ پانے اور دوسرے باب میں دیو اور پری پر قابو پانے سے متعلق اعمال درج ہیں۔اس طرح تیسرے اور چوتھے باب میں بھی عملیات ہیں جبکہ اس کے دوسرے حصے میں مختلف بیماریوں سے شفاء پانے اور دشمنوں سے نجات حاصل کرنے کے تعویز دیئے گئے ہیں آخر میں نسخۂ کیمیا بھی درج ہے۔

2.2- دوسرا دور

اس دور میں ہمیں دو شاعروں کے نام ملتے ہیں۔ پہلے شاہ عبداللطیف بھٹائی اور دوسرے ملک داد قلاتی۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی (وفات 1759ء) کے ایک سال بعد ملک داد قلاتی کی کتاب ''تحفۃ العجائب'' مکمل ہوئی۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی نے باقاعدہ براہوئی شاعری تو نہیں کی لیکن آپ کی کچھ کافیوں میں سندھی اور براہوئی کا اشتراک پایا جاتا ہے۔ (ح۔17)

مولانا ملک داد قلاتی

آپ غرشین قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے جد امجد حضرت دردلیل تقریباً ساڑھے تین سو برس پیشتر بخارا سے آکر موسیٰ خیل ضلع لورالائی میں آباد ہوئے۔ بعد ازاں خان قلات میر نصیر خان نوری کے دور میں آپ قلات آئے۔ ''تحفۃ العجائب'' اسی دور میں یکم ذی الحج 1173 ہجری مطابق 14 جولائی 1760ء کو لکھی گئی۔ جسے براہوئی کے مشہور شاعر و خطیب مولانا نبو جان نے چند اصلاحوں کے بعد 1325ھ/1905ء میں پہلی مرتبہ شائع کرایا۔

''تحفۃ العجائب'' کا رسم الخط عربی ہے اور اس میں کل 275 اشعار ہیں۔ چالیس ابواب پر مشتمل اس کتاب کی ابتداء حمد باری تعالیٰ اور پھر نعت سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد منقبت اور حصول علم کے بارے میں معلومات درج ہیں۔ اس کا دیباچہ مولانا نبو جان نے لکھا ہے۔ کتاب مذہبی موضوعات پر مشتمل ہے اور اسی جذبے کے تحت ہی اس کی تصنیف ہوئی ہے جس کا اظہار خود مصنف اپنے ان اشعار میں کرتا ہے۔

تحفہ عجائب پن کنا کتاب نا
براہوئی دُوی ئٹ محض ثواب نا
کریٹ ای تصنیف حق نارضائٹ
ولیکے اُوفتہ حق تینٹ ہدایت

ترجمہ:

ہے تحفہ عجائب یہ میری کتاب
براہوئی میں لکھی بغرض ثواب
کی تصنیف حق کی رضا کے لئے
کہ سب کو ہی بس حق ہدایت ہی دے

کتاب میں موجود نعت کے ان اشعار سے مصنف کی پختہ ذہنی اور کمال فن کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ سے گہری وابستگی کا اظہار بھی ملتا ہے۔

محمد ﷺ افضلِ کل انبیاء تیان
محمد ﷺ خاتم پیغمبر آتیان
محمد ﷺ ام رسولِ پاک حق نا
محمد ﷺ دا خلیل پاک حق نا
محمد ﷺ دوست حق نا ام حبیب ئے
محمد ﷺ چاننا اُست نا طبیب ئے

ترجمہ:

محمد ﷺ افضل ہے کُل انبیاء سے
محمد ﷺ خاتمِ سب انبیاء ہے
محمد ﷺ ہے رسول پاک، حق کا
محمد ﷺ ہے خلیل پاک، حق کا
محمد ﷺ تو حبیب کبریا ہے
محمد ﷺ رنج اور غم کی دوا ہے

گو کہ اس کتاب کے نسخے اب نایاب ہیں مگر انڈیا آفس لائبریری، لندن میں اس کتاب کا ایک نسخہ محفوظ ہے۔

تحفۃ العجائب کے بعد براہوئی کا قدیم مسودہ ''کتاب چار باغ'' ہے جسے 1880ء سے 1930ء کے درمیان براہوئی کے ایک شاعر ملا عبدالحکیم نے عربی حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا۔

2.3- تیسرا دور

اس دور میں براہوئی زبان کی باقاعدہ کتابیں لکھی جانے لگیں۔ اس دور کے بانی مولانا محمد فاضل درخانی ہیں' انھوں نے ڈھاڈر کے قریب درخان کے مقام پر ایک اسلامی مدرسے کی بنیاد رکھی۔ اس مدرسے کی تبلیغی زبان براہوئی تھی۔ بعد ازاں ایک مکتبہ'' مکتبہ درخانی'' کے نام سے قائم کیا گیا اس مکتبہ نے اب تک سینکڑوں براہوئی کتابیں شائع کی ہیں۔اس دور کے دیگر اہم قلمکاروں کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے:

(الف) مولانا محمد فاضل درخانی

مولانا محمد فاضل درخانی کی پیدائش 1822ء کے لگ بھگ ڈھاڈر میں ہوئی اور انتقال 19 شوال 1315ھ/1896ء بروز منگل ہوا۔ آپ براہوئی زبان و ادب کے سب سے بڑے محسن ہیں جنھوں نے اس زبان کو مدرسہ درخان میں تدریسی درجہ

دیا۔ ان کے انتقال کے بعد مدرسہ درخوانی کا انتظام مولانا عبدالحئی کے سپرد ہوا۔ آپ نے درس وتدریس کے ساتھ ساتھ کتب کی اشاعت کا کام بھی جاری رکھا۔ آپ نے ایک رسالہ ''نماز مترجم'' براہوئی میں تحریر کیا ہے۔

(ب) مولانا نبو جان

براہوئی ادب کی ترقی وترویج میں علماء کا اہم کردار رہا ہے خصوصاً ''مکتبہ درخانی'' کے جن علماء نے براہوئی ادب کے لئے گراں قدر خدمات سرانجام دیں ان میں مولانا نبو جان کا نام بھی سرفہرست ہے۔ مولانا نبو جان کی پیدائش 1851ء میں مستونگ میں ہوئی۔ بچپن ہی سے دینی تعلیم سے لگاؤ تھا چنانچہ دینی تعلیم مستونگ کے علماء سے حاصل کی۔ بعدازاں درس وتدریس کے پیشے سے وابستہ ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب عیسائی مشنری بلوچستان میں عیسائیت کی تبلیغ میں مصروف عمل تھی۔ چنانچہ ان کے مقابلے کے لئے مکتبہ درخانی کے علماء نے بھی تبلیغ واشاعت کا کام شروع کیا اور قرآن پاک کے بلوچی اور براہوئی میں تراجم کے ساتھ ساتھ 339 کتابیں چھاپیں جو زیادہ تر دینی موضوعات پر مبنی تھیں۔ مولانا نبو جان نے بھی چند کتابیں لکھیں جن میں ''عمدۃ البیان'' نامی کتاب جو آپ کی پہلی تصنیف ہے۔ 1907ء میں شائع ہوئی۔ دوسری کتاب ''ناصح البلوچ'' کے نام سے چھپی۔ بعدازاں ''تحفۃ الغرائب'' نامی کتاب شائع ہوئی جبکہ ''نصیحت نامہ'' 1906ء میں چھپی۔ اس کے علاوہ آپ نے براہوئی کے پہلے صاحب دیوان شاعر مولانا ملک داد قلاتی کی کتاب ''تحفۃ العجائب'' چند اصلاحات کے بعد 1905ء میں شائع کی۔ مولانا نبو جان براہوئی قبائل میں رائج غلط رسومات کے خلاف بھی لکھتے رہے اور ان پر کڑی نکتہ چینی کرتے رہے۔ آپ کے خیالات مولانا الطاف حسین حالی جیسے ہیں جنہوں نے ہندی مسلمانوں کو ان کی بری رسموں سے آگاہ کیا اور ان کو ترک کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ اسی طرح مولانا نبو جان نے بھی بلوچستان میں یہی کام کیا۔ آپ کی کتاب ''نصیحت نامہ'' کو ہم اگر براہوئی زبان کی مسدس حالی کہہ لیں تو بے جا نہ ہوگا، کیونکہ دونوں رہنماؤں نے قوم کو غفلت کی نیند سے جگا کر دین کی صحیح تبلیغ کی۔ 1907ء میں مولانا نبو جان کی وفات ہوئی۔

نمونہ کلام ملاحظہ ہو:	ترجمہ
یارب رحیم ورحمان	یارب، رحیم ورحمان
شیطان نا مکر ودام آن	شیطان کے مکر وفریب سے امان
آسمان زمین نا نیامان	آسمان، زمین کے درمیان
بشخہ ننے نی اے خدا	دے بخش اے خدا ہمیں

(ج) مولانا عبدالمجید چوتوئی

مولانا عبدالمجید چوتوئی 1869ء میں مستونگ میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم سے بہرہ مند ہونے کے بعد تصنیف کا سلسلہ

شروع کیا۔ اچھے پائے کے شاعر بھی تھے۔ براہوئی غزل کو ایک نیا رنگ دینے میں ان کا بڑا نام ہے۔ ان کی شاعری میں مذہبی موضوعات کے علاوہ رومانوی رنگ بھی نمایاں ہے۔ آپ کی مشہور تصانیف میں ''جوشِ حبیب''، ''شہد و شفاء''، ''دُرالمجید'' شامل ہیں۔ جبکہ آپ کی دیگر کتابیں ''تحفۃ الخلیل''، ''شمعۃ القلوب'' اور ''شعلۃ العشاق''، ''مفرح القلوب''، ''گلشن راغبین''، ''ریاض الجنۃ'' اور ''غیرت الاسلام'' کے نام سے چھپی ہیں۔

نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

نے خدا علم تِس عمل کر با صِفا
خوش مریر نیان خدا و مصطفیٰ ﷺ
علم رینگانے نبی آن وارثی
نی گڑا مَر دُھنکہ سنگِ فارسی

ترجمہ:

دیا خدا نے علم ، عمل بھی کر ذرا
خوش ہوں تجھ سے خدا و مصطفیٰ ﷺ
علم تجھکو وارثانِ مصطفیٰ ﷺ سے ہے ملا
سنگِ فارس کی طرح خود کو بنا

(د) مولانا محمد عمر دینپوری

براہوئی کے کثیر التصانیف مصنف مولانا محمد عمر دینپوری 1882ء میں مستونگ میں پیدا ہوئے۔ 15 سال کی عمر میں قرآن پاک کی تعلیم مکمل کی۔ بعد ازاں سندھ کے ایک مدرسہ میں دینی تعلیم کی غرض سے داخل ہوئے اور وہاں سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد ''مکتبہ درخانی'' آئے۔ اس دور میں برصغیر کے دوسرے علاقوں کے ساتھ ریاست قلات پر بھی انگریز قابض تھے اور عیسائیت کے پرچار کی غرض سے انہوں نے اپنی مقدس کتاب بائبل کا براہوئی ترجمہ بھی کر رکھا تھا چنانچہ مزاحمت کی غرض سے مولانا محمد عمر دینپوری نے قرآن پاک کا براہوئی ترجمہ کیا جو 1914ء میں مکمل ہو کر 1916ء میں شائع ہوا۔ اس ترجمے کو براہوئی نثر کا اہم کارنامہ قرار دیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں مولانا محمد عمر دینپوری نے تقریباً 50 کتابیں تصنیف کی ہیں جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں۔ براہوئی شاعری کے حوالے سے بھی آپ کا نام نمایاں ہے۔ آپ کی ایک غزل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

محبوب جانی نازئٹ بروکا
درد و غم آتا زیادہ کروکا

داغ ئے جتائی ناتخپہ کنے آ

کپہ کنے خوار ہمسر تا نیام آ

ترجمہ:

آناز پرور ناز و اُدا سے

تجھ بن نہ سنبھلوں کچھ بھی دوا سے

ہجراں کا دکھ یوں مجھ کو نہ دے جا

اپنوں میں رسوا کرنا نہ جاناں

مولانا محمد عمر دینپوری 1948ء میں وفات پاگئے.

اسی طرح بلو، بشام، ریکی، قیصر خان فقیرزئی وغیرہ ضلع چاغی کے کلاسیکل شعراء ہیں۔ جن کی رزمیہ شاعری براہوئی شعری ادب میں گراں قدر سرمائے کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کلاسیکی شعراء میں بلّو شاعر کو مثنوی گو شاعر کی حیثیت سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔

(ہ) بلو شاعر

بلو شاعر کلی بڈو احمد وال ضلع چاغی کے رہنے والے تھے۔ بدیہہ گو شاعر تھے۔ ان کی صرف ایک طویل نظم بطرز مثنوی ملی ہے۔ اس مثنوی میں ضلع چاغی کی ''ماہ گل'' کی داستان بیان ہے۔ یہ نظم اس قدر مقبول ہوگئی کہ ساربان راتوں کو اونٹوں پر سوار ہو کر اس کو خوش الحانی سے پڑھتے۔ کسان کھیتوں کو جاتے ہوئے اس کو گنگناتے۔

اس مثنوی کی ابتدا میں حمد باری تعالیٰ ہے پھر ہیروئن کا تنازعہ' شیر جان کا معاشقہ' شیر جان اور ماہ گل کے قتل کا واقعہ وغیرہ بیان ہے۔

عشق ومحبت کی داستان کے ساتھ ساتھ شاعر نے ماں کی مامتا کا ذکر بھی کیا ہے۔ ماہ گل قتل کی جا رہی ہے' موت کا بھیانک منظر اس کی آنکھوں کے سامنے ہے لیکن اس وقت بھی وہ اپنے بچوں کو فراموش نہیں کرتی۔ ساس سے کہتی ہے کہ میرے مرنے کے بعد ان کی نگہداشت اچھی طرح سے کرنا۔

سلیس تاتہ ءتینا توار کرے

تاتہ چناتانی غورے کنیس

تکی ناچنڈانے داخوس ارے

ترجمہ:

''کھڑی ہو کر اپنی ساس سے کہا (میں تو قتل کی جا رہی ہوں لیکن میرے بعد) میرے بچوں کی اچھی طرح سے دیکھ

بھال کرنا ان کے کھانے کے لیے میں نے کچھ رکھ چھوڑا ہے''۔

اس مثنوی میں قدیم براہوئی ثقافت کی جھلکیاں بھی ہیں۔ ماہ گل جس جھونپڑی میں رہتی تھی وہ بہت ہی فراخ اور مزین تھی۔اس مثنوی میں جا بجا حکمت کے جواہر پارے بھی ملتے ہیں:

نعلت نیستی نا زندائے مرے

نے کے بارنا پاٹائے برے

ترجمہ: غربت کے وجود پر لعنت ہو۔ یہ سوکھی لکڑی کے بھی نصیب نہ ہو۔

دا ساہ آئے دیرے بھروسا ارے

رزق صوب و بیگہ نا سیخا ارے

ترجمہ: اس زندگی پر کس کو بھروسہ ہے۔رزق صبح وشام کے سائے کی طرح ہے۔(کبھی بڑھتا اور کبھی گھٹتا ہے)

حوصلہ انسان اے بکار ارے

بے حوصلہ و بے بختی ارے

ترجمہ: حوصلہ انسان کے کام آ سکتا ہے' بے صبری بدبختی کی علامت ہے۔

قصہ ''ماہ گل'' میں مثنوی کے جملہ التزامی محاسن موجود ہیں۔ زبان بھی رواں وسلیس ہے اور شاعر نے آخر تک زبان کی صفائی وسلاست کو برقرار رکھا ہے۔ واقعہ نگاری اور جذبات نگاری بھی ہے۔ واقعات کو جس طرح سے منظم کیا گیا ہے' اس سے واقعہ کی صحیح تصویر نظروں کے سامنے آ جاتی ہے۔ یہ منظوم داستان براہوئی کلاسیکل ادب کا شاہکار تصور کی جاتی ہے۔

ان کے علاوہ ملا مزار بدوزئی، ملا محمد حسن بنگلزئی، مولانا عبداللہ درخانی، ملا فقیر محمد وغیرہ نے بھی کلاسیکل شعراء میں بڑا نام پیدا کیا۔اسی طرح تاج محمد تاجل اور فیض محمد فیصل صوفی شاعر ہو گزرے ہیں جنہوں نے براہوئی میں تصوف کی بنیاد ڈالی' تاج محمد تاجل براہوئی کے نامور صوفی شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔

(و) تاج محمد تاجل

براہوئی زبان کے قادرالکلام صوفی شاعر تاج محمد تاجل بھاگ ضلع کچھی میں قریباً 1833ء میں پیدا ہوئے۔ان کے والد صوفی صادق ایک درویش منش انسان تھے۔تاجل نے ابتدائی تعلیم گاؤں کے مدرسے سے حاصل کی بعد ازاں شعر و شاعری کی طرف راغب ہوئے۔تاجل کی ابتدائی شاعری شگفتہ انداز کی تھی۔جس میں انہوں نے معاشرتی برائیوں کو موضوع سخن بنایا لیکن جب تاجل نے سندھی اور سرائیکی کے صوفی شعراء کے کلام کا مطالعہ کیا تو خود بھی صوفیانہ شاعری شروع کی۔ان کے ہم عصر صوفی رکھیل شاہ' جو سندھی کافی کے مشہور شاعر ہیں' سے گہرے مراسم تھے۔تاجل کی صوفیانہ شاعری کا منفرد انداز انہیں براہوئی کے دیگر

شعراء سے ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔ تاجل نے براہوئی کے علاوہ بلوچی، سندھی، سرائیکی، اردو اور فارسی میں بھی شعر کہے ہیں۔ ان کی شاعری میں فکر وحدت الوجود اور فلسفہ ہمہ اوست کار فرما ہے۔ وہ عشق حقیقی میں غرق ایک سچے عاشق نظر آتے ہیں۔ ان کے کلام میں روانی اور فکر کی پختگی بھی پائی جاتی ہے۔ اس سے پیشتر براہوئی شاعری میں یہ انداز ناپید تھا۔ واقعات نگاری اور منظر کشی بھی ان کی شاعری میں بھرپور انداز میں پائی جاتی ہے۔

تاجل نے ابتدا میں کلام پاک کی کچھ آیتیں حفظ کر لی تھیں اس لئے ان کے جوہر میں لا الہ الا اللہ کار فرما تھا اور وہ صوفی منش شاعر کی حیثیت سے سامنے آئے۔ علامہ اقبال نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ "دعا سے تقدیر نہیں بدل سکتی، ممکن ہے کہ دعا کرنے والا خود بدل جائے"۔ تاجل نے بھی اسی انداز سے کہا ہے:

ارا وختاکہ پورو مرے تقدیر
انتس کیک اوڑے پیر و پخیر
رب نا مون ٹی ءُ کل صغیر

ترجمہ:

جب پوری ہوجائے تقدیر
پھر کیا کریں گے پیر وفقیر
رب کے آگے سب ہیں صغیر

یوں تو تاجل نے کسی شاعر کے کلام سے باقاعدہ طور پر استفادہ نہیں کیا تاہم ان کے خیالات شاعر مشرق سے ملتے ہیں جس کی مثال ان کے یہ اشعار ہیں جس میں انہوں نے خودی کی تعلیم دی ہے۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

تاجل پائک اندن پانی
تینا قدرے تینٹ چانی
اللہ کے نے احسانی

ترجمہ:

تاجل کہے تم ایسے کہہ دو
اپنی قدر کو آپ ہی جانو
مانو رب کے احساں کو

تاجل خودی کا پرستار اور غرور و تکبر کا دشمن ہے اور اسے انسان کے لئے نقصان دہ قرار دے کر کہتا ہے:

ٹی ٹک کروس انتس دروس
کاٹم ئے تینا گم گار کروس
دوستاتن بے زار مروس
رلّی ئے تینا نی ارفوس
شرمندہ مروس پدا بروس

ترجمہ:

غرور سے تم بھلا کیا پاؤ گے
اپنا آپ ہی گنوا بیٹھو گے
اپنوں سے بے زار رہو گے
گدڑی لے کر تم جاؤ گے
شرمسار ہو کر پھر آؤ گے

تاجل کا کلام تصوف اور معرفت میں ڈوبا ہوا ہے اور ان کے کلام کی یہی خصوصیات ان کو صوفیاء کی صف میں کھڑا کر دیتی ہیں۔

ان کی براہوئی اور بلوچی شاعری کو پہلی مرتبہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی نے یکجا کر کے مرتب کیا اور ''تاج محمد تاجل'' کے نام سے انہیں کتابی شکل دی جبکہ ان کی بقیہ شاعری کو ڈاکٹر عبدالرزاق صابر نے ''کلام تاجل'' کے نام سے چھپوایا۔ تاجل کی شاعری میں روانی اور زبان و بیان کی سلاست حد درجہ موجود ہے۔

مکتبہ درخانی کے علماء کے عروج کے دور میں ہی تاجل نے صوفیانہ شاعری کی اور اپنے ایک منفرد اور الگ انداز کی وجہ سے لوگوں میں ان کے اشعار مقبول ہو گئے۔ تاجل شاعری کے ساتھ ساتھ سیاحت سے بھی رغبت رکھتے تھے' اسی شوق کے تحت تاجل کچھ وقت سفر وسیلۂ ظفر کی ضرورت کے تحت ہندوستان بھی گئے۔ وہاں علما و صوفیاء سے ملے اور بزرگوں کے مزارات کی زیارت کی اور ان کے کلام و پیغام کے فیوض و برکات سے مشرف ہوئے۔ سفر کے ان مشاہدات کے بعد ان کے کلام میں مزید پختگی آئی۔ تاجل کی براہوئی، بلوچی شاعری تو اپنی جگہ، مگر ان کی سندھی وسرائیکی شاعری بھی اتنی شستہ اور صاف ہے کہ ان پر غیر زبان ہونے کا گمان تک بھی نہیں ہوتا۔ کچھ کلام تو ایسا بھی ہے کہ اس میں چاروں زبانوں کے الفاظ شامل ہیں۔ ان کے کلام میں تصوف کی چاشنی' محبت و امن اور رواداری کا پیغام' شاہ عبداللطیف بھٹائی، حضرت سچل سرمست، بابا فرید اور بلھے شاہ کی شاعری کا عکس موجود ہے جس کے سبب ان کے ہاں بھی وہی کیف و مستی ملتی ہے جو ان دیگر صوفیاء کے کلام کا خاصہ ہے۔ تصوف کے ساتھ ساتھ انسان دوستی بھی ان کی شاعری کی بنیاد ہے۔ وہ محبت اور اتحاد و اتفاق کا درس دینے کے لیے کونجوں کی قطار کی

تشبیہ دیتے ہیں۔

تاجل کی ہمہ گیر شخصیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ فن موسیقی سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ جس طرح شاہ عبداللطیف بھٹائی کئی راگ، راگنیوں کے خالق تھے اسی طرح تاجل کی شاعری میں سُر کوہیاری وسُر رانجھن و دیگر راگوں کا عمل دخل ہے۔ ان کی شاعری پڑھنے کے بعد اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے کلام میں آورد سے زیادہ آمد کا رنگ نمایاں ہے۔

عشق حقیقی کا تو اپنا ایک رنگ ہوتا ہے اور اپنی ایک چاشنی و مستی ہوتی ہے کیونکہ عاشق گردو پیش سے بے خبر براہ راست خدا سے مخاطب نظر آتا ہے اور اسے اپنے اور خالق حقیقی کے درمیان تعلق کے لئے کسی وسیلے وسہارے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اسی لیے اکثر صوفیاء دنیاوی اصولوں سے بے نیاز اور کیف و مستی میں غرق ہو کر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں اور خالق حقیقی سے اپنی محبت وعقیدت کا برملا اظہار کرتے ہیں۔ انہی خصوصیات سے تاجل کا کلام بھی پُر و آراستہ ہے جو ان کے کہے گئے صوفیانہ کلام میں نمایاں ہیں۔ خوش الحان تاجل عمر کے آخری حصے میں بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔

1945ء میں بستی وزیر خان بھاگ میں وفات پائی۔ ان کا مزار آج بھی لوگوں کے لئے سرچشمہ ہدایت و باعث فیض ہے۔ ان کی شاعری کا نمونہ ملاحظہ ہو:

عشق ہر چہ بجائفک سازے
اوڑا رب رسولؐ نا رازے
انت چائک روچہ نمازے
اونا بت و بدن کبابے
عشق ء دین عشق ثوابے

ترجمہ:

اگرچہ عشق ساز سے بھی مانوس ہے
پھر بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اس سے راضی ہیں
وہ کیا جانے روزہ نماز
وہ تو سوختہ جان و سوختہ بدن ہے
عشق دین بھی ہے اور ثواب بھی

3- لوک ادب

کسی قوم کے اندازِ فکر و عمل، ذہنی ارتقاء اور تہذیب و تمدن کا مرقع اس کا ادب ہوتا ہے۔ ادب ہی کے ذریعے ہم کسی قوم کی اخلاقی اقدار سے متعارف ہوتے ہیں اور ادب میں لوک ادب کی حیثیت گل سرسبد کی ہوتی ہے۔ یہی ادب لوگوں کی اخلاقی، تہذیبی اور معاشرتی اقدار کا آئینہ ہوتا ہے۔ دیگر زبانوں کی طرح براہوئی میں بھی لوک ادب کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ جسے ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(الف) منظوم لوک ادب

(ب) منثور لوک ادب

3.1- منظوم لوک ادب

قدیم منظوم ادب میں مختلف موضوعات پر ہمیں لوک گیت اور اشعار ملتے ہیں۔ جن میں بچے کی پیدائش، شادی بیاہ اور دیگر رسموں کے متعلق بھی گیت موجود ہیں۔ ان گیتوں میں سردیوں کے موسم میں بلوچستان سے سندھ کی جانب قافلوں کے درہ بولان اور مولہ کے راستے جانے کے منظر کی عکاسی، سفر کی تکالیف اور اپنوں سے دوری کے کرب کو بھی بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ غرض ہر موقع اور مناسبت کے لحاظ سے لکھے گئے لوک گیت سماجی زندگی کی بھرپور طور پر عکاسی کرتے ہیں۔ ان لوک گیتوں کے لئے کسی دور و زمان کا تعین کرنا ناممکن ہے۔ ان کے خالق بھی نامعلوم اور گمنام ہیں۔ ان کے کہنے والوں میں چرواہے، ساربان، کسان، مزدور، الہڑ دوشیزائیں اور پیرو جواں سب شامل ہیں۔

ان لوک گیتوں کی قسمیں یہ ہیں:

(الف) لولی

لولی جسے اردو میں ''لوری'' کا نام دیا جاتا ہے اس کا رواج ہر اس زبان میں ملتا ہے جس میں انسانی جذبات کی عکاسی کرنے کی صلاحیت موجود ہے کیونکہ ماں کے جذبات کسی رسم و رواج اور حدود کے پابند نہیں ہوتے۔ ہر ماں اپنی اولاد کو چاق و چوبند، ہنستا مسکراتا اور زندگی میں کامیاب و کامران دیکھنا چاہتی ہے، جب وہ اپنے بچے کو گود میں اٹھالیتی ہے تو اس کے احساسات و جذبات دعائیہ کلمات کا روپ دھار کر لبوں پر آجاتے ہیں۔ ایسے ہی منظوم دعائیہ کلمات کا نام ''لولی'' ہے:

نمونہ ملاحظہ ہو:

لولی کنا ساہ لولی کنا گنج

نے کہ پنجتنءِ ای سوال کریٹ

اللـه نـا دربار ٹی دُو تفیٹ
لـولی کـنا ساہ لولی کنا گنج
لـولی لـولـڑی لـولـی ٹی اے
کـنا گنج پیر آتا جولی ٹی اے
لـولی کـنـاسـاہ لولی کنا گنج

ترجمہ:

لوری میری جان لوری میری گنج
تری خاطر پنجتن کے طفیل
اللہ سے میں نے سوال کیا
لوری میری جان لوری میری گنج
لوری، لوری، لوری دوں
تُو رہے سدا پیروں کی جھولی میں
لوری میری جان لوری میری گنج

(ب) زہیری

لیکو یا زہیری، میں گھر سے دور پردیس میں رہنے والوں کے لئے ان کی مائیں، بہنیں اور بیویاں لیکو گاتی ہیں اور ان کی عافیت وسلامتی کے لئے دعائیں مانگتی ہیں۔

''زہیری'' کا شمار مقبول براہوئی لوک گیت میں ہوتا ہے۔ ''زہیری'' عام طور پر ہجر و فراق کے لمحات کے اظہار کے لئے مخصوص ہے لیکن ''زہیری'' میں ایسے گیت بھی ملتے ہیں جن میں قافلوں کے سفر اور سفر کے دوران آنے والے مختلف مقامات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ زہیری کو اس کی مخصوص دھن کی وجہ سے حُدی خوانوں یا ساربانوں کا گیت بھی کہا جا سکتا ہے' گیت کی دھن ایسی ترتیب دی گئی ہے کہ سننے والا اپنے آپ کو اونٹوں کے کارواں کے ساتھ سفر کرتا' لق و دق صحراؤں اور پٹ و بیاباں میں سے گزرتا' مختلف مقامات کی سیر کرتا' منزلیں طے کرتا محسوس کرتا ہے۔ یہ گیت خانہ بدوشوں کی متحرک زندگی کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔ ''زہیری'' کے چند بول جن میں خانہ بدوشوں کا قافلہ کچھی اور سندھ کے میدانی علاقوں سے درہ بولان کے راستے خراسان کے سرد علاقوں کی جانب رواں ہے ملاحظہ ہوں:

زہیری تموکن سال نا
موسم خراسان آ کانا
اول منزل نا سیبی آن دانگے
حاجی حنبل نا زیارتے کینہ
ایلو منزل نا ڈھاڈر آن دانگے
پیر دو پاسی نا زیارتے کینہ
ایلو منزل نا بولان آن دانگے
بی بی نانی نا زیارتے کینہ
ایلو منزل نا مچھ آن دانگے
دلو فقیر نا زیارتے کینہ

ترجمہ:

ہجر وفراق کی گھڑیاں نا قابل برداشت ہو چکی ہیں
خراسان کی جانب کوچ کرنے کا موسم آ گیا ہے۔
ہماری پہلی منزل سبّی کے قریب ہوگی
جہاں ہم حاجی حنبل کے مزار کی زیارت کریں گے
ہمارا اگلا پڑاؤ ڈھاڈر کے قریب ہوگا
جہاں ہم پیر دو پاسی کی خدمت میں حاضری دیں گے
ہماری اگلی منزل بولان کے قریب ہوگی
جہاں ہم بی بی نانی کے مزار کی زیارت کریں گے
مچھ کے قریب ہمارا اگلا ڈیرہ ہوگا
جہاں ہم دلّو فقیر کے مزار پر نذرانہ پیش کریں گے

(ج) ہلو ہالو

ہلو ہالو' شادی بیاہ کے موقع پر عورتیں مل کر گاتی ہیں اور مسرتوں کا اظہار کرتی ہیں۔ اس گیت میں دیگر مختلف قسم کے دلچسپ مضامین کے علاوہ عشق ومحبت کے اظہار کا جذبہ بھی ملتا ہے۔

ہلو ہالو کبو پُھل ناپِن ء
ہلو ہالو کبو ایلم ناجن ء
ہلو ہالو کبو خوشی نادے ء
ہلو ہالو کبو زیب نا زیب ء

ترجمہ:

ہلو ہالو کہو اس برگ گل کو
ہلو ہالو کہو بارات ہے بھائی کی
ہلو ہالو کہو دن ہے خوشی کا
ہلو ہالو کہو حسن کو اس کا

(د) سوزو

گندمی رنگ کی محبوبہ کے لئے براہوئی میں ''سوزو'' کا لفظ مستعمل ہے' اس لوک گیت کے ہر بول میں سوزو (سانولی سلونی) کی تکرار ہوتی ہے۔ عام براہوئی لوگ گیتوں کی طرح یہ گیت بھی نہایت سادہ اور دلکش ہے۔

	ترجمہ:
سوزو ءُ سوزو	سانولی سلونی اے سانولی سلونی
سوزو ءُ سوزو	سانولی سلونی اے سانولی سلونی
سوز و کنا سوزو	سانولی سلونی اے سانولی سلونی
سوزو ءُ سوزو	سانولی سلونی اے سانولی سلونی
دِیرے دریا واتا	رواں ہے دریاؤں کا پانی
سوزو ءُ سوزو	سانولی سلونی اے سانولی سلونی
بس گو رانا	محبوبہ قریب آئی
سوزو ءُ سوزو	سانولی سلونی اے سانولی سلونی
دِیکو دِلّانا	خنک ہے پانی گڑھے کا
سوزو ءُ سوزو	سانولی سلونی اے سانولی سلونی
اُمیتے اللہ نا	بھروسہ اللہ کا

(ہ) برنازنا

برنازنا کا شمار براہوئی کے قدیم ترین گیتوں میں ہوتا ہے اس میں محبوب کے سراپے اور اس کی اداؤں کی تعریف ہوتی ہے۔ اس میں ہر دور وزمانے کے مطابق اشعار ملتے ہیں۔ دوسرے عشقیہ گیتوں کے مقابلے میں ''برنازنا'' چھوٹی بحروں میں مقبول لوک گیت ہے۔ چوپان جب مویشیوں کو لے کر خشک پہاڑوں کے دامن میں چلا جاتا ہے تو ایسے وقت میں وہ دل بہلانے کے لئے ''برنازنا'' کے اشعار خوش الحانی سے گا کر فضاء کو مسحور کر دیتا ہے۔ کسان جب ہل چلاتا ہے تو وہ بھی اس گیت کو گا کر اپنی خوشی کا اظہار کرتا ہے۔ ''برنازنا'' میں عاشق اپنی محبوبہ کی تعریف میں اس طرح رطب اللسان ہوتا ہے:

برنازنا ، برنازنا
برنازنا ، برنازنا
سیل ءِ کرین ناسازنا
اُستے درینوس بازنا
کونجاک ہنار پُر بال ٹی
پٹان خنان نے شال ٹی
خواجہ کنانی اُس خدا
کپیس کنے دوست آن جتا
دیرءِ وہو کا وا ءَ نا
قادر کمک ناساہ نا
بر ناز نا ' بر نازنا
بر ناز نا ' بر نازنا

ترجمہ:

آ اے دلربا نازنین
آ اے دلربا نازنین
دیکھی ہم نے تیری محفل رنگین
لیا تو نے بہتوں کا دل چھین
اونچی ہے کونجوں کی پرواز

شیریں ہے تیری یہ آواز
اے خدا در پہ ہوں تیرے سائل
نہ ہو جدا مجھ سے مہ کامل
رواں ہے نہروں کا پانی
قدرت کرے تیری نگہبانی
آ اے دلربا نازنین
آ اے دلربا نازنین

(و) ننے دِیرا ایتے (ہمیں پانی پلا دے)

بلوچستان کے خشک پہاڑوں کے دامن میں ایک براہوئی کا گزر ہوتا ہے۔ اسے پیاس لگتی ہے۔ ہر جگہ پانی تلاش کرتا ہے مگر بے سود، دور دور پانی کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔ اتنے میں اسے ایک الہڑ دوشیزہ، پانی کا مشکیزہ اٹھائے دکھائی دیتی ہے۔ یہ اس سے پانی طلب کرتا ہے۔ گیت کے ہر بول میں "ننے دِیرا ایتے" (ہمیں پانی پلا دے) کا تکرار موجود ہے۔ اس گیت کے بول سے پتہ چلتا ہے کہ شاعر ایک ایسے خطے سے تعلق رکھتا ہے جہاں کے لوگ پانی کی ایک ایک بوند کو ترستے ہیں۔

او ساہ نادان ، ننے دیرایتے
نا اللہ نگہوان ، ننے دیرایتے
گودی گدان نا ، ننے دیرایتے
پُھل اُس اُرانا، ننے دیرایتے
دیریک دِیرآٹو، ننے دیرایتے
سُوالیک پیرآٹو، ننے دیرایتے
دیردِیر کینہ، ننے دیرایتے
اُست دیر کینہ ، ننے دیرایتے

ترجمہ:

میری جان ناداں، ہمیں پانی پلا دے
ترا اللہ نگہباں، ہمیں پانی پلا دے
ملکہ گدان کی، ہمیں پانی پلا دے

اے گل گلستان کی، ہمیں پانی پلا دے
پنگھٹ پہ سب ہیں، ہمیں پانی پلا دے
مزاروں پر سب ہیں، ہمیں پانی پلا دے
میں پانی ہی مانگوں، ہمیں پانی پلا دے
یونہی مر نہ جاؤں، ہمیں پانی پلا دے

(ز) ماہ لنج

ماہ لنج براہوئی کے قدیم ترین لوک گیتوں میں سے ہے، جس میں محبوب کو ماہ لنج (ماہ جبیں) کہہ کر اس کی تعریف کی گئی ہے اور اس سے اپنی دلی وابستگی کا بھی اظہار موجود ہے۔ اس لوک گیت کی قدامت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اکثر براہوئی اس کے بول فراموش کر چکے ہیں۔ اس کے ہر بول میں ''کنا ماہ لنج'' (میری ماہ لنج) کے الفاظ دہرائے جاتے ہیں۔

گودی اُس گدان نا ، کنا ماہ لنج
پُھل اُس اُرانا، کنا ماہ لنج
ڈھاڈر ئٹ ڈاہ ئے ، کنا ماہ لنج
بولان کسرنائے ، کنا ماہ لنج
ولر کپوت نا ، کنا ماہ لنج
ساڑے اپوک نا، کنا ماہ لنج
طوبے نا ٹِک ئے، کنا ماہ لنج
کاغدس لکھے ، کنا ماہ لنج

ترجمہ:

خیمہ کی تم ملکہ ہو ، میری ناہ لنج
گُلِ خانہء دل ہو ، میری ماہ لنج
ڈھاڈر میں ہے خبر، میری ماہ لنج
بولان ہے راہ گزر، میری ماہ لنج
ڈار کبوتروں کی ، میری ماہ لنج
جلن سوکن کی ، میری ماہ لنج

ہے قمر پیکر ، میری ماہ لنج
لکھ دے مجھ کو پتر، میری ماہ لنج

(ح) لیلی مور

لیلی مور یا لیلیٰ مور: یہ مقبول لوک گیت نہ صرف براہوئی بلکہ بلوچی میں بھی گایا جاتا ہے۔ اس گیت کے بول طویل ہوتے ہیں اور اس میں ہر طرح کے مضمون باندھے جاتے ہیں، جہاں اس میں طربیہ بول ہوتے ہیں وہاں المیہ بول بھی اس گیت میں شامل ہوتے ہیں۔ یوں براہویوں کی زندگی کی بھرپور عکاسی اس گیت میں زیادہ نظر آتی ہے۔ لیلی مور کے ان اشعار میں عشقیہ جذبوں کا اظہار بڑے خوبصورت انداز میں کیا گیا ہے۔ جیسے:

بروا کنا لیلی مور لیلی مور کیوہ نے
ہۓ نا ساعت ئے ارفیوہ دیوہ نے
توارئس کیوہ نے توار ے کنا بمپسہ
پر ئنگا تُغ ءِ ٹی اُستان کہ ہمپسہ

ترجمہ:

آؤ میری لیلی مور لیلی مور پکاروں تجھے
وقت بہت نازک ہے ساتھ لے چلوں تجھے
صدا دے رہا ہوں تو سنتی نہیں
نیند میں بھی تجھے بھولنا ممکن نہیں

(ط) نازل

لوگ گیتوں میں شاعر محبوب کے لئے بڑے خوبصورت نام استعمال کرتا ہے۔ جیسے مول، نازل، لیلی مور، ماہ لنج وغیرہ۔ ایک لوک گیت ''نازل'' میں ان جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے۔

نازل نالوکءِ رخت سہ
نازل نا دوستی بخت سہ
لاایلی کبونم نازل ءِ

ترجمہ:

نازل کے اونٹ پر پالان ہے

جسے نازل کی محبت ملی وہ بخت پہ نازاں ہے
کیا کہنے نازل کے

(ی) لعل نادانہ

اگرچہ حجر و سنگ بے شمار ہیں لیکن ان میں لعل' گراں بہا اور بیش قیمت ہے کیونکہ یہ انمول پتھر ہوتا ہے اسی طرح حسین و جمیل دوشیزائیں تو بہت ہیں لیکن محبوبہ ان میں لعل کی طرح درخشاں ہے۔ اس لوک گیت میں ''لعل نادانہ'' کی تکرار ہوتی ہے۔

	ترجمہ:
لعل نا دانہ	اے لعل ناب ساجن
سنگت ئُن کا نہ	چلیں گے ہمراہ سجن
جمر تفینے	چھائی ہے کالی گھٹا
سیخا پُدینے	خنک ہے سایہ
موسم ہنینے	موسم ہے رنگین
پھُلان گچینے	گلوں میں تو حسین
اُستے درینس	دل موہ لیا ہے
تینا کرینس	اپنا بنالیا ہے

(ک) لیلڑی

لیلڑی میں بھی رومانی جذبات کے اظہار کے علاوہ محبوب کی توصیف، جدائی کا غم اور بے وفائی کے شکوے جیسے موضوعات ملتے ہیں۔ یہ گیت براہوئی اور بلوچی دونوں زبانوں میں مستعمل اور مقبول ہے۔ اس کے ہر بول کے آخر میں ''لیلڑی ءَ لا'' کی تکرار ہوتی ہے۔ یہ ایک طربیہ گیت ہے جب گانے والا لیلڑی ءَ لا کہتا ہے تو جوش سے اپنے ہاتھوں کو اس طرح جنبش دیتا ہے جیسے محو رقص ہو۔ لیلڑی اسم تصغیر ہے جو لعل سے بنا ہے۔ لاڑی یاقوت کے ٹکڑوں یا چھوٹے لعل کے لئے بولا جاتا ہے۔

	ترجمہ
پَٹ اٹ یٹیو نے لیلڑی ءَ لا	چٹیل میدان میں تجھے تلاش کروں لیلڑی ءَ لا
شرط ئٹ کٹیو نے لیلڑیءَ لا	تجھے شرط میں جیت لوں لیلڑی ءَ لا
خولم ناتیلی لیلڑی ءَ لا	گندم کا اک خوشہ لیلڑی ءَ لا
پُچاك نا نیلی لیلڑی ءَ لا	نیلگوں پیراہن تیرا لیلڑی ءَ لا

بسوٹ کہ دیو نے لیلڑی ءَ لا	تجھے لینے آیا ہوں میں لیلڑی ءَ لا
خن تے آکیونے لیلڑی ءَ لا	تجھے آنکھوں پر بٹھاؤں میں لیلڑی ءَ لا

(ل) مودہ

یہ لوک گیت کی وہ قسم ہے جو کسی کی موت پر گایا جاتا ہے اس میں متوفی کی صفات بیان کی جاتی ہیں اس کو عموماً عورتیں ہی گاتی ہیں۔ مودہ نالہ وفریاد کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس قسم کے گیتوں کا یادرکھنا مشکل اور کٹھن ہے جب کہیں کوئی موت واقع ہو جاتی ہے اور بالخصوص جب کوئی جوانی میں مرجاتا ہے تو اس کے عزیز وا قارب خواتین زور زور سے مودہ کہتی ہیں وہ ایسا موقع ہوتا ہے کہ سننے والا ان کے غم میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔ جس طرح ایک جوان دوشیزہ کی موت پر یہ مودہ کہا گیا ہے۔

	ترجمہ:
بی بل نا پچاك تخوکو	لباس عروسی تیار ہے بی بل کا
بی بل ءِ دیرس درے	افسوس بی بل کو پانی بہا کر لے گیا
بی بل ناقلعه خلوکے	حُجلہ عروسی تیار ہے بی بل کا
بی بل ءِ دیرس درے	افسوس بی بل کو پانی بہا کر لے گیا
بی بل نا لُمہ ہُروکے	بی بل کی ماں راہ تک رہی ہے
بی بل ءِ دیرس درے	افسوس بی بل کو پانی بہا کر لے گیا
بی بل نا حِنام تخوکے	بی بل کی مہندی تیار ہے
بی بل ءِ دیرس درے	افسوس بی بل کو پانی بہا کر لے گیا

(م) کیلوہڑہ

اس لوک گیت میں برکنا کیلو جان (آجا میری کیلو جان) یا برکنا کیلوہڑہ (آجا میری کیلوہڑہ) کی تکرار ہوتی ہے۔ الھڑنوجوان کھیلتے کودتے اس گیت کو گاتے ہیں۔ پہاڑوں کی وادیوں میں جب یہ گیت گونجتا ہے تو عجب طرح کا سماں پیدا ہوتا ہے۔

	ترجمہ:
برکنا کیلوجان کیلاك نا پارہ کنے	آجا میری کیلوجان تیری معشوقانہ ادائیں ہم کلام ہوتی ہیں
زیباغا ہتیاك نا کاریم آن شارہ کنے	تیری پیاری باتیں دنیا و مافیہا سے بیگانہ کرتی ہیں
برکنا کیلو جان کیلوجان کیوہ نے	آجا میری کیلو جان اپنا لوں گا تمہیں
برکنا کیلو جان کیلو جان کیوہ نے	آجا میری کیلو جان اپنا لوں گا تمہیں

خنک ناڈلگو ڈلگی آن لڑ زیرہ	تیری آنکھوں کی لرزش ڈھاتی ہے قیامت
پنچ بندغ ناکچ ءِ زلفاك ناکڑ زیرہ	زلفوں کا طول پانچ جوانوں کا قد و قامت
بر کنا کیلو جان کیلو جان کیوہ نے	آ جا میری کیلو جان اپنا لوں گا تمہیں

منظوم لوک ادب کے ان گراں قدر ذخیروں کی تعداد بہت زیادہ ہے جن کو اب یکجا کیا جا رہا ہے۔ اگرچہ اس دور کا پورا ادبی سرمایہ تحریری صورت میں قدیم زمانے میں موجود نہیں بلکہ یہ سینہ بہ سینہ، نسل بہ نسل موجودہ دور تک منتقل ہوئے ہیں۔

3.2- منثور لوک ادب

براہوئی لوک ادب میں قدیم شعری سرمائے کی طرح قدیم نثری ادب کا بھی ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے جن میں لوک کہانیاں، داستانیں، محاورے، تلمیحات، پہیلیاں وغیرہ شامل ہیں۔

(الف) لوک کہانیاں

براہوئی زبان میں لوک کہانیوں کو درج ذیل تین اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1- وہ لوک کہانیاں جو خالصتاً براہوئی معاشرے میں تخلیق ہوئی ہیں جن میں عموماً ان حالات و واقعات اور مقامات وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے جو اسی سرزمین سے متعلق ہیں۔

2- وہ لوک کہانیاں جو دیگر ہمسایہ زبانوں میں تخلیق ہونے کے بعد براہوئی ادب میں منتقل ہوئی ہیں اور ان کے مزاج و انداز کو براہوئی معاشرے کے مطابق تبدیل کیا گیا ہے۔

3- وہ لوک کہانیاں جو ترجمے کے ذریعے دوسری زبانوں سے براہوئی لوک ادب کا حصہ بن گئی ہیں۔ پاکستان کی دیگر زبانوں کے لوک ادب کی طرح براہوئی لوک کہانیوں میں بھی مافوق الفطرت عناصر، قدیم بادشاہوں، شہزادوں اور شہزادیوں کے قصے کہانیاں بیان کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ چرواہوں، شتربانوں اور پہاڑی زندگی سے متعلق قصے کہانیاں شامل ہیں، جن میں خالصتاً براہوئی معاشرے کی عکاسی کی گئی ہے جو ان لوک کہانیوں کو دیگر زبانوں کی لوک کہانیوں سے منفرد بناتی ہیں۔ براہوئی لوک کہانیوں کا کافی ذخیرہ اب بھی لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہیں۔ دیہی علاقوں میں گرمیوں کی چاندنی راتوں میں یا سردیوں میں الاؤ کے گرد بیٹھ کر لوگ ان لوک کہانیوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

براہوئی لوک کہانیوں کو کافی تعداد میں بعض محققین نے کتابی صورت میں جمع کر کے شائع کیا۔ انگریز محقق سر ہنری پٹنگر نے پہلی دفعہ اپنے سفرنامہ ''سفرنامہ سندھ و بلوچستان'' 1900ء میں دو براہوئی کہانیاں شامل کیں جنہیں اس سلسلے کی پہلی کڑی کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح سر ڈینس برے نے 1939ء میں چند براہوئی لوک کہانیوں پر مشتمل ایک کتاب شائع کی۔ ٹی جے ایل میئر

نے اپنی کتاب ''براہوئی ریڈنگ بک'' میں بھی چند براہوئی لوک کہانیاں دی ہیں۔انور رومان نے اردو میں ''براہوئی کی لوک کہانیاں'' کے عنوان سے جبکہ میر صلاح الدین مینگل نے ''خلقی قصہ غاک'' کے نام سے ان لوک کہانیوں کو کتابی شکل دی۔محمد افضل مینگل کی مرتب کردہ لوک کہانیوں پر مبنی پانچ کتابیں ''مُسہ لعل''، ''طوبے ناٹکر''، ''حسن وزیر''، ''حسن بانو''، ''شمس قمر'' کے نام سے چھپ چکی ہیں۔ اسی طرح پروفیسر عظیم جان محمد شہی نے چند براہوئی لوک کہانیوں کو جمع کرکے دو کتابیں ''کچاری'' اور ''قافلہ'' کے نام سے ترتیب دیں۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی کی کتاب ''براہوئی خلقی قصہ غاک'' (براہوئی لوک کہانیاں) بھی اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔علاوہ ازیں ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی کی کتاب ''براہوئی زبان و ادب کی مختصر تاریخ'' میں بھی چند لوک کہانیاں دی گئی ہیں۔

(ب) محاورے اور ضرب الامثال

کسی زبان کی لسانی اور ادبی وسعت کا پتہ اس زبان کے ادب میں محاوروں کی تعداد' اقسام اور طریقہ تشکیل سے لگایا جاتا ہے۔ براہوئی زبان کی وسعت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ صرف ''دُو'' (ہاتھ) سے تشکیل پانے والے محاوروں کی تعداد دو درجن سے زائد ہے۔

اسی طرح ضرب الامثال کسی زبان کی قدامت اور ضخامت کی غماضی بھی کرتی ہیں۔ ان سے ہی اس زبان کے بولنے والوں کی ذہنی صلاحیت و تہذیب و تمدن اور سوچ و فلسفہ کا ادراک ہو سکتا ہے۔ ان سے زبان کی چاشنی میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ براہوئی میں ضرب الامثال کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں سے اکثر کے پس منظر میں کوئی نہ کوئی سیاسی' تاریخی یا سماجی کہانی موجود ہے اور یہ تقریباً ہر موضوع کا احاطہ کرتے ہیں جن میں بظاہر چھوٹی اور معمولی باتوں میں بڑی دانشمندانہ بات چھپی ہوتی ہے انہیں نہ صرف عام براہوئی بولنے والے بلکہ عالم و دانشور و اہل علم بھی اپنی بات کو پُر تاثیر بنانے کے لئے موقع و محل کے مطابق استعمال کرتے ہیں۔ ان کو جمع کرنے میں ممتاز محقق ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی کی کاوشیں بہت زیادہ ہیں۔ان کی کتابوں ''براہوئی زبان و ادب کی مختصر تاریخ'' اور ''وساہتاک'' میں ان کے کئی نمونے دیئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں پروفیسر سوسن براہوئی کی کتاب ''قدیم براہوئی نثری ادب'' اور نور احمد پرکانی کی کتاب ''براہوئی ادب'' 2001ء میں بھی ضرب الامثال و محاوروں کی کافی تعداد موجود ہے۔ انگریز محقق سر ڈینس برے کی ''براہوئی، انگریزی لغت'' میں بھی ضرب الامثال درج ہیں۔ اسی طرح کامل القادری کی کتاب ''شروخ'' میں دو سو سے زائد ضرب الامثال و محاورے درج ہیں' جو 1970ء میں چھپی جبکہ ان کی دوسری کتاب ''براہوئی کہاوتیں'' میں بھی بڑی تعداد میں ضرب الامثال درج ہیں جو 1974ء میں چھپی۔ اسی طرح ڈاکٹر عبدالرزاق صابر کی کتاب ''شاہی خروار'' بھی اس سلسلے میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ علاوہ ازیں ہفت روزہ ''ایلم'' مستونگ، سہ ماہی رسالہ ''سنگت'' فرید آباد، رسالہ ''کہوت'' جیکب آباد میں بھی ضرب الامثال کی کافی تعداد چھپتی رہی۔ براہوئی زبان میں ضرب الامثال کی چند مثالیں:

ضرب الامثال:

	ترجمہ:
☆ " شاہی خروار باوہ اُست دیر کرے "	دوآنے کی چار بوری گندم پھر بھی باپ بھوکوں مرا ہے۔
☆" لٹ آن ہیت ہشیک "	لاٹھی سے بات زیادہ سخت ہوتی ہے۔
☆اپوك پلپل پوك	سوکن مرچیں چھڑکتی ہے
☆اَسه سُوارئے دَنزاف	ایک گھوڑ سوار کا گرد کچھ نہیں (اکیلا آدمی کچھ نہیں کرسکتا)
☆خالیء تُوفک آن ارا بندغ خُولیره	خالی بندوق سے دوآدمی ڈرتے ہیں
☆خاخر ناپد ہس ئے	آگ کا انجام راکھ
☆غریب ئے سیال اف	غریب کا کوئی شریک نہیں
☆شَر صُورت بے حاجت	حسین کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی یعنی لوگ اس کی صورت دیکھ کر اس کی حاجت پوری کرتے ہیں۔
☆سالک کاره' گالک سلیره	سال بیت جاتے ہیں، باتیں یادرہتی ہیں۔

(ج) پہیلیاں

براہوئی زبان میں پہیلی کو چاچا کہتے ہیں ، جومنظوم اور منثور دونوں صورتوں میں پائی جاتی ہیں۔پہیلیوں کا ایک معقول ذخیرہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی نے اپنی کتاب "چاچا" (1981ء) میں شائع کیا اسی طرح کامل القادری کی کتاب "شروخ" (1970ء) میں بھی پہیلیاں شامل ہیں۔ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی کی کتاب "براہوئی زبان وادب کی مختصر تاریخ" میں بھی ان کے کافی نمونے دیئے گئے ہیں۔ پروفیسر خدادادگل کی کتاب "براہوئی ادبی تاریخ"، پروفیسر سوسن براہوئی کی کتاب "قدیم براہوئی نثری ادب"، نوراحمد پرکانی کی کتاب "براہوئی ادب" اور پروفیسر حمید شاہوانی کی کتاب "براہوئی زبان وادب" میں بھی پہیلیاں نمونے کے طور پر دی گئی ہیں۔

پہیلیاں	ترجمہ
(1) بال کیک چکس اف' مؤن ءِ خاخوئس اف مَرغ ارے تے خراسس اف 'داساپا که انت	اڑتا ہے لیکن پرندہ نہیں' سیاہ رنگ ہے' پروہ کوّا نہیں' سینگ ہیں اس کے لیکن بیل نہیں اب کہو کیا ہے؟

	(گوگڑا)	(گبریلا بھنورے کی مانند پردار کالا کیڑا)
(2)	مؤناتازی، دِیرنا گوازی	سیاہ رنگ کا شکاری کتا پانی میں کھیلے
	(خوا)	(مشکیزہ، جس میں ندی سے پانی بھرا جاتا ہے)
(3)	مارپیر باوہ ورنا	بیٹا عمر رسیدہ باپ جوان
	(کرپاس)	(کپاس اور پودا)
(4)	اسہ گڑا سہ ای خینوہ تے' نی خنپیسہ تے	ایک چیز ہے میں اسے دیکھتا ہوں مگر تمہاری نظروں سے اوجھل ہے۔
	(لخ)	(گردن)
(5)	کیرغان دِیرے زیہان خاخرے	نیچے پانی اوپر آگ
	(چُلم)	(حقہ)
(6)	کانیک کُٹیپک	جتنا چلے ختم نہ ہو
	(کسر)	(راستہ)
(7)	ہُچ تہ کسکونے سیستان ٹی جغرتہ کنا دُو آٹے	اونٹ سیستان میں مرا ہے اور اس کا جگر میری ہتھیلی پر ہے
	(حنام)	(مہندی)
(8)	زنگی آتوفک مُر خلیک	پرانی بندوق دور کا نشانہ مارتی ہے۔
	(خنک)	(آنکھیں)
(9)	خرون ٹک ٹک نہ خف نہ لٹک	سبز دھبہ دار نہ کان نہ دم
	(پُغٹ)	(مینڈک)

4- خود آزمائی

-1 قدیم براہوئی ادب کی تاریخ اس طرح بیان کریں کہ اس میں تمام ادوار کا تذکرہ ہو جائے؟

-2 براہوئی کے صوفی شاعر تاج محمد تاجل کے حالات زندگی اور ادبی خصوصیات پر تبصرہ قلم بند کریں؟

-3 براہوئی لوک گیتوں کی چیدہ چیدہ خصوصیات بیان کریں؟

-4 براہوئی لوک کہانیوں کے موضوعات کیا ہیں اور ان کی کتنی قسمیں ہیں؟

-5 براہوئی محاوروں، ضرب الامثال اور پہیلیوں پر مفصل نوٹ تحریر کریں؟

یونٹ نمبر 8

جدید شعری ادب

(براہوئی)

تحریر: ڈاکٹر عبدالرحمن براہوئی
نظرثانی: ڈاکٹر عبدالرزاق صابر

تعارف

مطالعاتی رہنما کے اس یونٹ کا تعلق براہوئی زبان کے جدید شعری ادب سے ہے جس میں غزل، نظم، رباعی، قطعہ، مرثیہ اور ہائیکو وغیرہ کا جائزہ لیا گیا ہے۔ نادر قمبرانی، امیر الملک مینگل، عبدالجبار یار، جوہر براہوئی اور محمد اسحاق سوز جدید براہوئی شعراء کی صفِ اول میں شامل ہیں۔ اس یونٹ میں آپ ان شعراء کے حالات زندگی اور رنگِ سخن کے بارے میں بھی آگاہی حاصل کریں گے اور ساتھ ہی جدید براہوئی شاعری کے ارتقاء کے ضمن میں اس زبان کے اخبارات و جرائد کے کردار کا بھی مطالعہ کریں گے۔

آپ اس مطالعاتی رہنما کے آخر میں تفصیلی مطالعے کے لیے درج شدہ کتب کی مدد سے اس کا بھرپور مطالعہ کیجیے۔

مقاصد

اس یونٹ کے مطالعے کے بعد طلبہ جدید شعری ادب کے متعلق اس قدر جان سکیں گے کہ:

1- براہوئی زبان کے جدید شعراء کے فنِ سخن کا جائزہ لے سکیں۔

2- اس زبان کی شاعری کے جدید رجحانات کے بارے میں ادراک حاصل کرسکیں۔

3- جدید براہوئی شاعری کے آغاز وارتقاء پر روشنی ڈال سکیں۔

4- جدید براہوئی شعری ادب کے ارتقاء کے ضمن میں اخبارات و جرائد کے کردار پر اظہار خیال کرسکیں۔

فہرست

یونٹ کا تعارف اور مقاصد	162
1۔ جدید شعری ادب	165
1.1۔ نادر قمبرانی	167
1.2۔ امیر الملک مینگل	168
1.3۔ عبدالجبار یار	170
1.4۔ جوہر براہوئی	171
1.5۔ محمد اسحاق سوز	172
2۔ جدید شاعری کے ارتقاء میں اخبارات و جرائد کا کردار	173
3۔ خود آزمائی	174

1۔ جدید شعری ادب

براہوئی میں جدید شاعری کے حوالے سے دیکھا جائے تو غزل اور نظم کے علاوہ ہائیکو' قطعہ اور دیگر اصناف پر شعراء کی بڑی تعداد طبع آزمائی کر رہی ہے اور جدید تکنیکی انداز میں مختلف موضوعات پر شاعری کی جا رہی ہے۔ قیام پاکستان سے لے کر اب تک شاعری کی لاتعداد کتابیں ہر سال چھپ رہی ہیں۔ جدید شعراء نے براہوئی شاعری بالخصوص براہوئی غزل اور نظم کو بام عروج تک پہنچایا ہے۔ اس کے علاوہ گیت نگاری کا رجحان بھی بڑھ رہا ہے اور شعراء اپنی جدید شاعری سے براہوئی ادب کے سرمائے میں گراں قدر اضافہ کرتے ہوئے شاعری کی مختلف اصناف میں نام پیدا کر رہے ہیں۔

(الف) غزل

جہاں تک براہوئی غزل کا تعلق ہے' شاعری کی یہ صنف فارسی سے براہوئی میں شامل ہوئی یہ صنف قیام پاکستان سے قبل بھی براہوئی ادب میں متعارف ہو چکی تھی اور اس دور کے جن شعراء نے غزلیں لکھیں ان میں ملا محمد حسن براہوئی' مولانا عبدالحکیم مشوانی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بعدازاں مکتبہ درخانی کے شعراء جن میں عبدالمجید چوتوئی' مولانا محمد عمر دینپوری' مولانا نبو جان و دیگر نے بھی براہوئی غزل کو فروغ دیا۔ مولانا عبدالمجید نے براہوئی غزل کو ابتدائی شکل دی۔ ان کی غزلوں میں سوز و گداز اور محبوب سے گہری وابستگی کے جذبات کے علاوہ معاشرتی موضوعات پر بھی اظہار خیال ملتا ہے۔ اسی مکتبہ کے دوسرے نمایاں عالم اور شاعر علامہ محمد عمر دینپوری نے بھی غزل کو ایک جدید انداز دیا لیکن براہوئی غزل کو تقویت قیام پاکستان کے بعد ملی اور اس میں موضوعاتی' فکر و فنی تبدیلی آئی۔ بلاشبہ براہوئی میں شاعری کی دیگر اصناف کے مقابلے میں غزل پر نسبتاً زیادہ توجہ دی گئی۔ ابتدائی غزلوں کے موضوعات زیادہ تر عشقیہ تھے مگر پھر سیاسی' سماجی' معاشی و معاشرتی موضوعات کے ساتھ ساتھ حالات و واقعات اور زندگی کے دیگر مختلف النوع پہلوؤں کے متعلق موضوعات کو بھی براہوئی غزل میں شامل کیا گیا۔ 1970ء کی دہائی میں حالات کے مطابق براہوئی غزل میں انقلابی و مزاحمتی رنگ بھی در آیا اور غزلوں میں قوم و وطن سے محبت کے جذبات شامل ہوئے۔ اس دور میں پروفیسر نادر قمبرانی' عبدالرحمٰن کرد' امیر الملک مینگل' پیر محمد زبیرانی وغیرہ کی لکھی گئی مزاحمتی غزلیں قابل ذکر ہیں۔

موجودہ دور میں براہوئی غزل کو بام عروج تک پہنچانے والوں میں محمد اسحاق سوز کا نام قابل ذکر ہے۔ ان کی غزلوں میں تشبیہ و استعارات کے ساتھ جدیدیت موجود ہے۔ اُن کے مجموعے ''غزلیات سوز''، ''جذبات سوز'' ''گروشک'' اور ''گلشن سوز'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ اپنے انہی شاعرانہ اوصاف کے باعث وہ براہوئی ادب میں ''غالب براہوئی'' کے نام سے پہچانے جاتے ہیں جبکہ دوسرے شاعر پیر محمد زبیرانی کی غزلوں میں منظر نگاری اور فطرت کے حسن کی جھلک نظر آتی ہے وہ اپنی غزلوں میں لفظوں کے ذریعے قدرتی مناظر کی اس خوبصورتی سے عکاسی کرتے ہیں جس طرح ایک ماہر مصور اپنے برش اور رنگوں

سے کسی ۔۔۔ رے حسن کو کینوس پر منتقل کرتا ہے۔ پیر محمد زبیرانی کی اس فنی مہارت کے سبب انہیں براہوئی کا ورڈز ورتھ کہنا بے جا نہ ۔۔ ان کی شاعری کا یہ رنگ ہمیں ان کے مجموعوں ''اُست نا ہلکل'' اور ''بُخچڑو'' میں ملتا ہے۔ اب تک براہوئی غزلوں کی بے شمار کتابیں چھپ چکی ہیں جن کی ایک طویل فہرست ہے۔ براہوئی غزل کی ترقی اور فروغ میں اخبار و رسائل کا بڑا اہم کردار رہا ہے۔ خصوصاً ہفت روزہ ''ایلم'' مستونگ کے صفحات پر شعراء کی غزلوں کی کافی تعداد چھپتی رہی ہے۔ علاوہ ازیں غزل کو مزید تقویت دینے میں سہ ماہی ''سنگت'' فرید آباد طوطکی' تلار' کپوت' دے ٹک اور ماہنامہ ''اُولس'' کوئٹہ کا کردار قابل ذکر ہے۔ اسی طرح ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے مشاعروں نے بھی غزل کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ یوں تو براہوئی غزل گو شعراء میں کئی نام شامل ہیں مگر ان میں طاہرہ احساس' محمد رحیم ناز' محمد حسن غمخوار' عزیز اللہ عزیز' ڈاکٹر عبدالرزاق صابر' حکیم خدائے رحیم' پروفیسر عزیز مینگل' وحید زہیر' غلام علی شاہ مسافر' میر محمد الفت موجودہ دور کے نمایاں شعراء ہیں۔

(ب) نظم

شاعری کی یہ صنف 1980ء کے اوائل میں اردو سے براہوئی میں متعارف ہوئی۔ اس صنف کو براہوئی میں بڑی پذیرائی ملی اور شعراء کی کافی تعداد نے اس میں طبع آزمائی کی۔ پابند اور آزاد نظم دونوں میں بعض شعراء کی کاوشیں سامنے آرہی ہیں مگر پابند نظم کے مقابلے میں آزاد نظم لکھنے کا رجحان زیادہ ہے۔ کئی شعراء کے شعری مجموعوں میں آزاد نظمیں شامل ہیں' جن میں سماجی موضوعات کے علاوہ رومانوی خیالات کو بھی بڑی شائستگی سے بیان کیا گیا ہے۔ اس صنف میں لکھنے والے قابل ذکر شعراء میں پیر محمد زبیرانی' عبدالرحمٰن کرد' جوہر براہوئی' ڈاکٹر منیر رئیسانی' ڈاکٹر نصیر عاقل' عزیز مینگل' منظور بلوچ' قیوم بیدار اور وحید زہیر کے نام شامل ہیں۔

(ج) رباعی

شاعری کی یہ صنف براہوئی ادب کے دوسرے دور میں فارسی سے براہوئی میں در آئی۔ رباعی میں ترقی پسند' انقلابی اور مزاحمتی و دیگر موضوعات شامل کیے گئے۔ ہفت روزہ ''ایلم'' اخبار مستونگ' سہ ماہی ''دے ٹک'' کوئٹہ اور دیگر براہوئی رسائل میں رباعی لکھی گئی۔ علاوہ ازیں اس صنف میں چند ایک کتابیں بھی چھپیں جن میں عادل قلندرانی کی کتاب ''شاشان''، پروفیسر عزیز مینگل کی کتاب ''تیرونک'' اور یاسین بسمل کی کتاب ''نازبو'' شامل ہیں۔ دیگر رباعی لکھنے والوں میں پیر محمد زبیرانی' محمد اسحاق سوز' جوہر براہوئی اور جبار یار کے نام نمایاں ہیں۔

(د) قطعہ

قطعہ کو براہوئی میں ''چورک'' کا نام دیا گیا ہے۔ جدید شعراء کی کافی تعداد اس صنف پر طبع آزمائی کر رہی ہے جن میں یاسین بسمل' جوہر براہوئی' ڈاکٹر عبدالرزاق صابر' محمد اسحاق سوز' عادل قلندرانی اور دیگر شامل ہیں۔

(ہ) مرثیہ نگاری

مرثیہ نگاری کی روایت بھی قیام پاکستان کے بعد براہوئی ادب میں شامل ہوئی یوں تو کئی شعراء کے شعری مجموعوں میں مرثیے شامل ہیں مگر باقاعدہ طور بھی مرثیہ کی چند کتابیں چھپ چکی ہیں جن میں جوہر براہوئی کی 1991ء میں چھپنے والی کتابیں ''شیموش'' اور ''طوبے نارند'' شامل ہیں' بعد ازاں پروفیسر واحد مینگل کی کتاب ''است ناتوار'' براہوئی اکیڈمی' کوئٹہ کی جانب سے 1998ء میں چھپی' اسی طرح مولانا عبدالخالق ابابکی کی کتاب ''کنا اُست نابند'' 1998ء میں منظر عام پر آئی جس میں زیادہ تر مرثیے شامل ہیں۔ علاوہ ازیں اعظم مشتاق کی کتاب ''زباد''، میر علی شیر ناز کی کتاب ''بسمل'' اور حمید عزیز آبادی کی کتاب ''شپاد'' میں بھی مرثیے شامل ہیں ہفت روزہ ''ایلم'' اخبار مستونگ میں بھی دیگر شعراء کے مرثیے چھپتے رہتے ہیں۔

(و) ہائیکو

جاپانی ادب کی صنف ''ہائیکو'' بھی اردو ہی کے ذریعے براہوئی میں متعارف ہوئی ہے۔ اس مختصر سی شعری صنف میں شعراء اپنے جذبات و احساسات کے اظہار کے علاوہ مختلف النوع موضوعات کو بھی سمو رہے ہیں۔ اس صنف میں افضل مراد کی دو کتابیں ''کاویل'' اور ''بادام نا پُھل'' 1994ء؛ حمیرہ صدف کی کتاب ''چکل'' 2000ء اور عزیز مینگل کی تین کتابیں ''برفیچ''، ''شمشاك'' اور ''جلشکہ'' چھپ چکی ہیں۔

دور جدید میں وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ براہوئی زبان میں بھی افکار کی تبدیلی اور نئی سمتوں کا تعین ہو رہا ہے۔ جدید شعراء اپنی روش بدل رہے ہیں اور ہجر و فراق و رنج والم کے علاوہ دیگر سماجی موضوعات بھی ان کی شاعری کا حصہ بن رہے ہیں۔ یہاں دور جدید کے چند شعراء کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

1.1۔ نادر قمبرانی

نادر قمبرانی کا شمار براہوئی ادب کے تیسرے دور کے نمایاں شعراء میں ہوتا ہے۔ اپنے منفرد انداز کی وجہ سے براہوئی میں غزل اور نظم دونوں شعری اصناف میں لکھنے والوں میں ان کی ایک الگ پہچان ہے۔

ابتدائی تعلیم کوئٹہ سے حاصل کی، 1976ء میں بلوچستان یونیورسٹی سے ایم اے کیا اور یونیورسٹی کے شعبہ مطالعۂ پاکستان میں براہوئی کے انچارج مقرر ہوئے بعد ازاں شعبہ مطالعہ پاکستان کے ڈائریکٹر کے طور پر کچھ عرصہ خدمات سرانجام دیتے رہے۔ براہوئی اکیڈمی کوئٹہ میں مختلف عہدوں پر رہے علاوہ ازیں اکادمی ادبیات پاکستان کے تاحیات ممبر بھی ہیں۔

یوں تو نادر قمبرانی نے نثر میں بھی لکھا ہے جن میں افسانے اور مضامین شامل ہیں مگر ان کی پہچان شاعری ہے۔ ان کی شاعری میں جہاں رومانویت کا عنصر پایا جاتا ہے وہاں انہوں نے سماجی موضوعات کو بھی اپنی شاعری میں سمویا ہے۔ اس کے علاوہ

قومی نغمے بھی لکھے۔ ان کا شعری مجموعہ ''شنزہ گروک'' کے نام سے 1992ء میں براہوئی اکیڈمی، کوئٹہ کی جانب سے شائع ہوا۔
ان کی ایک غزل کا نمونہ اور اس کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو:

براہوئی	اردو
گواڑخاک پُھل کرینو یار بفک	لالے ہر سو کھلے ہیں، یار نہیں
اینو اُستے ذرس قرار بفک	میرے دل کو کوئی قرار نہں
داہتم خروسی و گئوش و چِرک	یہ بہار اور سبزہ بادصبا!
نی بفیسہ کنا بہار بفک	تم نہیں تو کوئی بہار نہیں
زندئی عقل و فکر و دانائی	زیست میں عقل و فکر و دانائی
مال و مُڈی تو ہچ اوار بفک	ساتھ دولت کے ملتے یار نہیں
زِند نا رازے کس کہ سر پند مَس	زیست کا راز جس نے پایا ہے!
اوناباء آن گڑا توار بفک	کچھ نہ کہنا کہ اس کا کار نہیں
پیالہ ئے عشق نا کہ کس تُنگا	پیالۂ عشق ہے پیا جس نے
اودِ ہوش اف اوڑا خمار بفک	ہوش اس کو نہیں خمار نہیں
	(ترجمہ: حسین بخش ساجد)

1.2۔ امیر الملک مینگل

امیر الملک مینگل 13 اپریل 1945ء کو نوشکی میں پیدا ہوئے۔ نوشکی میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کوئٹہ سے میٹرک اور انٹر کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازں کراچی یونیورسٹی سے ایم۔اے اور اسلامیہ کالج کراچی سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی اور وکالت کے پیشے سے منسلک ہوئے۔ 1985ء میں بلوچستان ہائی کورٹ کے ایڈووکیٹ جنرل اور پھر 1986ء میں جج مقرر ہوئے۔ 1996ء میں بلوچستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مقرر ہونے کے بعد سپریم کورٹ آف پاکستان کے جج ہوئے۔ ریٹائرڈمنٹ لینے کے بعد اکتوبر 1999ء سے 2003ء تک گورنر بلوچستان رہے۔

یوں تو امیر الملک مینگل براہوئی کے بہترین افسانہ نگاروں میں بھی شمار ہوتے ہیں مگر بحیثیت شاعر ان کی ایک الگ

پہچان ہے۔ ان کی شاعری میں رومانیت کے ساتھ اپنی دھرتی سے گہرے لگاؤ کا اظہار بھی ملتا ہے۔ ان کی شاعری اپنے وطن کے فطری حُسن اور اس کی خوبصورتی کے گرد گھومتی ہے، ساتھ ہی ان کی شاعری یہاں کے غریب اور نادار لوگوں کے دکھ درد کی عکاسی بھی کرتی ہے۔ انہیں غریب طبقہ سے گہری ہمدردی اور محبت ہے جس کا اظہار ان کی شاعری میں ملتا ہے اب تک ان کے دو مجموعۂ کلام "جؤر نا پُھل" اور "چله نا طوبے" کے نام سے چھپ چکے ہیں۔

نمونۂ کلام:

رب ہر کسہ ایتس امان
بے عقل نا ہوشیاری آن
بے موسم آ برف باری آن
انصاف نا بیوپاری آن
یا قوم نا غداری ان
بے رحم نا بس سرداری آن
ظالم نا منت و زاری آن
خواری یا بیماری آن
مظلوم نا آہ و زاری آن
رب ہر کسہ ایتس امان

ترجمہ:

رب ہر کسی کو دے اماں
بے عقل کی ہوشیاری سے
بن موسم کے برف باری سے
انصاف کے اس بیوپاری سے
یا قوم کی اس غداری سے
بے رحم کی بس سرداری سے
ظالم کی دل آزاری سے
خواری اور بیماری سے
مظلوم کی آہ و زاری سے
رب ہر کسی کو دے اماں

1.3۔ عبدالجبار یار

براہوئی شاعری میں مزاح کے حوالے سے عبدالجبار یار کا نام کافی معتبر ہے۔ 3 جون 1949ء کو کوئٹہ میں پیدا ہوئے اس مزاح گو شاعر نے بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ سے 1980ء میں براہوئی عالم اور 1982ء میں براہوئی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ 1977ء سے شاعری کی ابتدا کی۔ یوں تو سنجیدہ شاعری بھی کرتے ہیں مگر مزاحیہ شاعری میں انہیں کمال حاصل ہے۔ براہوئی میں مزاحیہ شاعری کی روایت کو فروغ دینے میں ان کا کردار کافی نمایاں ہے علاوہ ازیں براہوئی ادب میں پیروڈی کی صنف کی ترقی کا سہرا بھی ان کے سر جاتا ہے۔ ماہنامہ ''طوطکی'' کوئٹہ کے مدیر کی حیثیت سے بھی اپنی خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں ان کی مزاحیہ شاعری کا پہلا مجموعہ ''خیرات خور'' کے نام سے چھپا جبکہ ان کی دوسری کتابیں ''دروشم نا سیخا'' اور ''بشخندہ'' کے نام سے چھپ چکی ہیں۔ آج کل براہوئی ادب کے حوالے سے کوئٹہ کے ایک معروف اخبار میں 'براہوئی احوال'' کے نام سے کالم لکھنے کے علاوہ سہ ماہی ''دے ٹک'' کوئٹہ کی ادارت کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ نمونۂ کلام کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو:

ترجمہ:

عشق مجنوں دور میں تب کس قدر آسان تھا
عاشقِ مفلس بچارا تھا مگر ذیشان تھا
تھا لباسِ فقر میں یہ قیس بیچارا عجب!
پھر بھی وہ لیلیٰ کے ہر اک درد کا درمان تھا
دھیدُو رانجھا سیٹھ تھا مہینوال تھا نے بادشاہ!
ان کا لیکن عشق پر پختہ عجب ایمان تھا
سسّی و پنوں بڑے مشہور تھے بھنبھور میں
گرم ہر اک سمت ان کے عشق کا بازار تھا
بعد اس کے عہد آیا شیریں و فرہاد کا!
ہیر رانجھا مل گئے ان کا جو اک پیمان تھا
بعد ان کے آ کے مرزا' صاحباں سے مل گیا
جاگزیں ان کے دلوں میں عشق کا طوفان تھا

(ترجمہ: حسین بخش ساجد)

1.4۔ جوہر براہوئی

جوہر براہوئی، جنہیں ان کے فلسفیانہ خیالات ومنفرد اندازِ فکر کی بدولت براہوئی زبان میں خلیل جبران کا خطاب دیا گیا ہے، دورِ جدید کے نمایاں براہوئی شعراء میں سے ہیں۔ درجن سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں جو کہ مختلف موضوعات پر مبنی ہیں۔ 1950ء میں سکھر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد میٹرک اور بعد ازاں 1994ء میں بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کی دعوہ اکیڈمی سے دعوہ کورس کیا اور میہڑ، سندھ کے ایک مدرسے میں استاد مقرر ہوئے۔ ادبی سفر کا آغاز 1972ء سے کیا۔ شاعری کی تمام اصناف غزل، مثنوی، نظم، ہائیکو، مسدس وغیرہ پر طبع آزمائی کرنے کے علاوہ انشائیے بھی لکھے۔ 1975ء میں براہوئی پبلیکیشن فرید آباد نامی ادارہ قائم کیا۔ اس ادارے کی جانب سے 1980ء میں سہ ماہی ''سنگت'' کا اجراء ہوا جس میں براہوئی نثر ونظم دونوں اصناف پر مبنی تحریریں چھپتی رہیں۔ ان کی کتابوں میں احوال غم، گوریچ، دردانہ، روشنائی، شادوزباد شامل ہیں۔ ریڈیو اور ٹی وی کے علاوہ دیگر مشاعروں میں بھی شرکت کر چکے ہیں۔ ہر سال براہوئی ادبی سیمینار منعقد کرانے کا اعزاز بھی انہیں حاصل رہا ہے۔ ان سیمیناروں کے انعقاد سے براہوئی ادبی تحریک کو بڑی تقویت ملی اور براہوئی ادب میں نئی اصناف پر کام کا آغاز ہوا۔ جوہر براہوئی نے شاعرِ مشرق کے شکوہ و جواب شکوہ کا منظوم ترجمہ بھی کیا ہے۔ براہوئی کے علاوہ سندھی اور اردو میں بھی لکھتے ہیں۔ ان کی سندھی میں چار کتابیں، ختم نبوت ﷺ، امام العصر، آل اطہر اور روشنی ئی روشنی ئی چھپ چکی ہیں جبکہ اردو میں ان کی کتاب ''براہوئی تخلیق کار'' 2000ء میں چھپی۔

ذیل میں ان کے کلام کا نمونہ پیش ہے:

نمونہ کلام:

زندگی اف زندگی اوٹی اگر رفتار مف
محفلس اواف که اوٹی عشق ناگفتار مف
زندگی نا مقصد ے پوہ مَر وطن نا نوجوان
نعرہ مس بے فائدہ ظاہر اگر کردار مف
بُلبُلس پارے کنے ای تیوہ خاخر گلشنے
باغ دا انتس مرو اوٹی اگر سینگار مف
عشق نادا مزہ نے کر نوش اینوبش مرك
طور نا خڑ کا اِنک تو مشکلے دیدار مف

ترجمہ:

ہے بھلا کیا زیست وہ جس میں نہ کچھ رفتار ہو
بے مزہ وہ بزم، جس میں عشق بے گفتار ہو
زیست کے مقصد کا کچھ تو کر شعور اے نوجواں!
صرف باتیں بے اثر ہیں، گر نہ کچھ کردار ہو
کل کہا بلبل نے مجھ سے اب جلا دو گلستاں!
گلستاں صحرا ہے گر اس میں نہ کچھ مہکار ہو
عشق کی مے پی کے اب تو باندھ لے رختِ سفر
طُور کی جانب بڑھے تو کیوں نہ پھر دیدار ہو

1.5- محمد اسحاق سوز

براہوئی کے صف اول کے جدید شعراء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ غزل کے علاوہ نظم اور قطعہ بھی تواتر کے ساتھ لکھتے ہیں۔ ان کی شاعری میں فکر وخیال کی بلندی، فلسفہ اور روانی کے ساتھ ساتھ فنی باریکیاں بھی ملتی ہیں۔ ان کی شاعری میں جمالیات کے علاوہ مقصدیت کا عنصر بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ شاعری میں خیالات کی پختگی اور فنی مہارت ان کو براہوئی کے دیگر شعراء میں بلند مقام عطا کرتی ہے۔ انہیں اپنے سماجی و معاشرتی مسائل کو بڑی خوبصورتی اور مہارت سے لفظوں کی صورت دے کر نمایاں کرنے میں کمال حاصل ہے۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ ''غزلیات سوز'' کے نام سے 1962ء میں براہوئی ادبی دنیا شیخ واصل کی جانب سے چھپا جس میں ان کی غزلیات شامل ہیں بعد ازاں 1969ء میں ان کا دوسرا مجموعہ ''گلشن سوز'' کے نام سے چھپا جبکہ ان کی تیسری کتاب ''جذبات سوز'' 1972ء میں چھپی اور 1995ء میں براہوئی اکیڈمی کوئٹہ کے زیر اہتمام ان کی شاعری کی چوتھی کتاب ''گروشک'' کے نام سے منظر عام پر آئی۔ سوز کے ان مجموعوں میں زیادہ تر غزلیں ہیں مگر ان میں چند نظمیں اور قطعات بھی شامل ہیں اور ان سب میں زبان کی چاشنی اور ندرت بدستور موجود ہے۔ ان کے کلام کا نمونہ مع ترجمہ ملاحظہ ہو:

ھتم نا تہوتس کلو باغبانے
بشہ شوق نا پا او بلبل ترانے
نہ بُڑزی ئے نی ھُر نہ شیفی ئے نی ھر
ولے تینا منزل نانی ھُر نشانے
عمل تو ارے زندگانی نا رونق

عمل تو ولے زند نا امتحانے
قدم تون کُٹک کسر منزلاتا
مگر پارہ کوشش تو تقدیر جوانے

ترجمہ:

کہا باد صبا نے باغباں کو
کہ بلبل چھیڑ دے شوق فغاں کو
بلندی دیکھ اور مت دیکھ پستی!
نظر میں منزلوں کے رکھ نشاں کو
عمل سے زندگی کی رونقیں ہیں
عمل آساں کرے ہر امتحاں کو
سدا چلنے سے ہی منزل ملے گی!
حقیقت میں بدل ڈالو گماں کو

2۔ جدید شاعری کے ارتقاء میں اخبارات و جرائد کا کردار

براہوئی ادب کا دور جدید قیام پاکستان کے بعد قریباً 1950ء سے شروع ہوتا ہے جس وقت سریاب کوئٹہ سے مولانا عبدالباقی درخانی ماہنامہ ''معلم'' کا اجراء کرتے ہیں، جس میں پہلی بار براہوئی جدید شاعری اور نثری تخلیقات شائع ہوئیں۔ اس کے بعد ''نوائے وطن'' اور ''بلوچی'' کراچی' نامی رسالوں میں جدید براہوئی شعراء اور ادباء کی نگارشات چھپیں' تاہم جدید براہوئی ادب میں ایک اہم سنگ میل فروری 1960ء میں مستونگ سے نور محمد پروانہ کی ادارت میں چھپنے والا ہفت روزہ ''ایلم'' مستونگ ہے جس نے جدید براہوئی ادب کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا اور نئے لکھنے والوں کا ایک وسیع حلقہ بنایا جن میں غلام نبی راہی' نادر قمبرانی' تراب لاڑکانوی، موسیٰ طور، گل بنگلزئی' دوست محمد دوست' پیر محمد زبیرانی' حکیم خدائے رحیم' نور محمد پروانہ' رئیس نبی داد' عبدالقادر شاہوانی' عبدالغفور احسن' عبدالرحمٰن کرد' عبدالعزیز راہی' عبدالباقی درخانی' عبدالغفور درخانی' عبدالصمد شاہین' عبداللہ عادل قلندرانی' محمد اسحاق سوز' ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی' امیر الملک مینگل' غلام حیدر حسرت' صلاح الدین مینگل اور یوسف موج وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

دسمبر 1961ء سے ماہنامہ ''اولس'' اور 1974ء سے ''احوال'' براہوئی' جو محکمہ اطلاعات حکومت پاکستان کے زیر اہتمام

چھپتے تھے‘ نے بھی نئے لکھنے والوں کا ایک وسیع حلقہ پیدا کیا جنہوں نے براہوئی ادب میں نئے تجربے کیے اور نئی اصناف کو متعارف کرایا۔ جن لکھنے والوں نے جدید شاعری‘ نظم گوئی‘ اور دیگر اصناف کو وسعت دی ان میں تاج رئیسانی‘ میر محمد الفت‘ ڈاکٹر عبدالرزاق صابر، عبدالقیوم بیدار، محمد افضل مینگل‘ عزیز مینگل، عبدالجبار یار‘ وحید زہیر‘ افضل مراد‘ صالح محمد شاد‘ طاہرہ احساس‘ قیوم سوسن، ڈاکٹر نصیر عاقل‘ حسن غمخوار، رحیم ناز‘ اسلم پروانہ اور کئی دوسرے نوجوان لکھاری شامل ہیں۔

فی زمانہ براہوئی ادب میں تمام جدید اصناف پر طبع آزمائی ہو رہی ہے اور براہوئی ادبی اداروں (جن میں خاص طور پر براہوئی اکیڈمی پاکستان‘ براہوئی آرٹس اکیڈمی‘ راسکوہ ادبی دیوان اور براہوئی ادبی سوسائٹی پاکستان شامل ہیں) کے زیر اہتمام جدید ادب سے متعلق کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ اب براہوئی زبان میں نوجوان شاعروں کا ایک وسیع حلقہ تقریباً ہر براہوئی بولنے والے گاؤں اور قصبہ میں موجود ہے جو دن رات محنت سے براہوئی ادب کی آبیاری کر رہے ہیں۔

3- خود آزمائی

1- جدید براہوئی شاعری کے آغاز وارتقاء پر روشنی ڈالیں؟

2- براہوئی ادب میں غزل کی پیش رفت کا مختصر جائزہ لیں؟

3- امیر الملک مینگل کی شاعری کی خصوصیات بیان کریں؟

4- عبدالجبار یار کی کن شاعرانہ خصوصیات کی بناء پر براہوئی ادب میں ان کو انفرادیت حاصل ہے؟

5- جدید براہوئی شاعری کو پروان چڑھانے میں اخبارات وجرائد کے کردار کو زیر بحث لائیں؟

یونٹ نمبر 9

جدید نثری ادب

(براھوئی)

تحریر: ڈاکٹر عبدالرحمٰن براھوئی

نظر ثانی: ڈاکٹر عبدالرزاق صابر

تعارف

اس یونٹ کا موضوع براہوئی کا جدید نثری ادب ہے۔ جدید براہوئی نثر کا آغاز 1947ء کے بعد ہوا اور قیام پاکستان کے بعد ہی براہوئی میں جدید نثری اصناف جیسے افسانہ، ناول اور ڈرامہ وغیرہ باقاعدہ منصۂ شہود پر آنا شروع ہوئیں۔ آپ اس یونٹ میں براہوئی افسانہ، ڈرامہ اور ناول کے علاوہ انشائیہ، سفر نامہ، تراجم اور تنقید کا بھی مطالعہ کریں گے اور ان نثری اصناف بالخصوص افسانہ، ڈرامہ اور ناول کے موضوعات اور رجحانات سے بھی آگاہی حاصل کریں گے۔ اس یونٹ میں مناسب اختصار کے ساتھ جدید براہوئی نثر کا ایک جامع خاکہ پیش کیا گیا ہے۔

مقاصد

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1۔ جدید براہوئی نثر کے ارتقاء پر روشنی ڈال سکیں۔
2۔ جدید براہوئی نثر کے مختلف پہلوؤں کو زیر بحث لاسکیں۔
3۔ براہوئی افسانے، ڈرامے، ناول، انشائیے اور سفر نامے کے ارتقائی سفر پر اظہار خیال کرسکیں۔

فہرست

یونٹ کا تعارف اور مقاصد	176
1۔ جدید نثری ادب	179
1.1۔ افسانہ	179
1.2۔ ڈرامہ	181
1.3۔ ناول	182
1.4۔ انشائیہ	184
1.5۔ سفر نامہ	184
1.6۔ تراجم	185
1.7۔ تنقید	186
2۔ خود آزمائی	186
☆ حوالہ جات	187
☆ مجوزہ کتب برائے مطالعہ	188

1- جدید نثری ادب

محققین کے مطابق جدید نثری ادب کا آغاز 1947ء یعنی قیام پاکستان کے بعد سے ہوتا ہے کیونکہ اسی دور میں افسانہ' ناول اور ڈرامہ سمیت انشائیہ' مضمون نگاری' مقالہ نویسی' سفر نامہ اور دیگر اصناف کی طرف توجہ دی گئی۔ براہوئی میں یہ اصناف ملکی و بین الاقوامی تبدیلیوں کے ساتھ سیاسی' معاشی' معاشرتی و ادبی تبدیلیوں سے اثر پذیر ہوتی رہیں جس کے نتیجے میں آج کی تحریروں میں نئے لکھاریوں کی جدید سوچ موجود ہے۔ اس ضمن میں جدید نثر کے حوالے سے مختلف اصناف پر چھپنے والی کتابوں کی ایک طویل فہرست موجود ہے جن میں جدید براہوئی نثری ادب کے حوالے سے پروفیسر حمید شاہوانی کی کتاب کے علاوہ چند ایک اور کتابیں بھی شامل ہیں۔ جدید براہوئی نثر پر ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی اور ڈاکٹر عبدالرزاق صابر کی تحقیقی کاوشیں قابل قدر ہیں۔ براہوئی کے جدید ادباء اب نثر میں مختلف موضوعات پر قلم اٹھا رہے ہیں اور ان کی تخلیقات میں معاشرے کی بھرپور عکاسی کی گئی ہوتی ہے۔

1.1۔ افسانہ

براہوئی ادب میں افسانے کا آغاز 1950ء کے بعد ہوا۔ یہ افسانے کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اس میں روایتی قصہ کہانیوں کو افسانے کی صف میں شامل کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس دور میں افسانہ نگاروں نے فنی تقاضوں یعنی تکنیک کو شعوری یا لاشعوری طور پر ضروری نہیں سمجھا۔ براہوئی ادب میں اگرچہ افسانے کی عمر نصف صدی سے زیادہ نہیں ہے لیکن اس مختصر سے عرصے میں ہی براہوئی افسانے نے خاصی تیزی سے ارتقائی منازل طے کی ہیں۔ پہلا افسانہ ''مسافر'' نوائے وطن کے یکم جنوری 1955ء کے شمارے میں میر ہیبت خان نے شائع کرایا۔ اس کے بعد دوسرا افسانہ ''مہرو'' ع ح شاہوانی کے قلم سے 6، فروری 1955ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ بعد ازاں ماہنامہ ''بلوچی'' کراچی اور ''معلم'' سریاب میں بھی افسانے چھپتے رہے۔ 1976ء میں ''مستائی'' چھپی جس میں دیگر اصناف کے علاوہ کافی افسانے بھی چھپے۔ یہ افسانے پیر محمد زبیرانی' گل محمد بنگلزئی' غلام نبی راہی' عبدالرحمٰن کرد، عبدالحق محمد شہی وغیرہ نے لکھے۔

براہوئی میں افسانوں کی جو کتابیں چھپی ہیں ان میں تاج رئیسانی کا افسانوی مجموعہ ''انجیر نا پھُل''، گل بنگلزئی کا ''دڑد آتا گواچی'' 1984ء اور ''زند نا چراغ''۔ نوجوان افسانہ نگار وحید زہیر کے افسانوں کے تین مجموعے ''شنزہ'' 1987ء ''مہرناتوش'' 1999ء اور ''بروے'' 2002ء شامل ہیں۔ وحید زہیر کے افسانوں میں معاشرے کی بُرے رسوم اور سرداروں و بالادست طبقوں کے ظلم و جبر کے خلاف صدائے احتجاج سنائی دیتی ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر نصیر عاقل کے افسانوں کی کتاب ''پھرومازؤ' اور بعد ازاں آمنہ یوسف کے افسانوں کا مجموعہ ''بندوک'' چھپے۔ آمنہ یوسف کے مجموعہ میں شامل افسانوں میں معاشرے میں عورتوں کے ساتھ ظلم و ناانصافی کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ ان

مظالم کے خلاف احتجاج بھی شامل ہے۔ اسی طرح دوسری خاتون افسانہ نگار پروفیسر طاہرہ احساس کے افسانوں کا مجموعہ ''صاف نا استار'' جو 2001ء میں چھپا اس میں بھی عورتوں کے متعلق موضوعات شامل ہیں۔ عارف ضیاء کے افسانوں کا مجموعہ ''زراب'' کے نام سے 1984ء میں منظر عام پر آیا۔ خادم لہڑی کی کتاب ''گُنگ دام'' 1999ء میں چھپی جو دیگر زبانوں کے افسانوں کے براہوئی میں تراجم پر مبنی ہے۔ بعدازں نئے افسانہ نگار نور احمد پرکانی کے افسانوں کا مجموعہ ''گدان نا گندار'' 2002ء میں چھپا۔ خادم لہڑی، عزیز مینگل اور افضل مینگل کے افسانے بھی جدید ترقی پسندانہ رجحانات کی عکاسی کرتے ہیں کیونکہ ان افسانہ نگاروں کے افسانوں میں اسلوب اور فنی لوازمات بدرجہ اتم موجود ہیں۔

نمایاں افسانہ نگاروں میں ڈاکٹر تاج رئیسانی کا نام بھی آتا ہے۔ ڈاکٹر تاج رئیسانی 5 اپریل 1957ء کو کوئٹہ میں پیدا ہوئے۔ میٹرک اور انٹر کے بعد بولان میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کی ڈگری لی اور سول ہسپتال کوئٹہ میں بطور معالج خدمات سر انجام دینے لگے۔ ادبی سفر کا آغاز افسانہ لکھنے سے کیا۔ ان کے افسانوں کا مجموعہ ''انجیر نا پھُل'' کے نام سے چھپا جو براہوئی میں افسانوں کی پہلی کتاب ہے جس کے تراجم اردو کے علاوہ جرمنی اور انگریزی میں بھی ہوئے۔ ڈاکٹر تاج افسانہ نگار کے علاوہ ڈرامہ نگار بھی ہیں۔ ان کے ڈرامے اسٹیج، ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے پیش ہو چکے ہیں۔ براہوئی کے علاوہ اردو میں بھی لکھتے ہیں۔ ان کے لکھے ہوئے افسانے اور ڈرامے براہوئی معاشرے اور قبائلی زندگی کی بھرپور ترجمانی کرتے ہیں۔ ان کے ڈراموں کو پی ٹی وی ایوارڈ بھی دیا گیا۔ تاج کا مطالعہ وسیع، مشاہدہ گہرا ہے۔ ان کے ہاں خوبصورت جملوں اور الفاظ کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔ وہ اپنی ہر تخلیق میں معاشرے کی روایات کی عکاسی کرتے ہیں اور ان کے افسانے براہوئی ثقافتی پس منظر میں لکھے گئے ہیں۔

''انجیر نا پُھل'' ان کا نمائندہ افسانہ ہے جس میں ایک ایسی خانہ بدوش لڑکی کی کہانی بیان کی گئی ہے جس کا باپ اپنے قبیلے کا لوہار ہے جو قبیلے کی شادیوں میں ڈھول بجاتا ہے جبکہ اس کا بھائی باپ کے ساتھ شہنائی بجانے کا کام کرتا ہے۔ ان کا قبیلہ حال ہی میں سندھ کے میدانوں سے دشت (بلوچستان کا ایک علاقہ) کی طرف آیا ہے اور ایک پہاڑی کے دامن میں اُن کا پڑاؤ ہے۔ قحط سالی غربت و کسمپرسی اکثر اس قبیلے کی قسمت ہے چونکہ ان کا تعلق قبیلے کی نچلی ذات سے ہے اس لیے قبیلے کے سردار کے حکم پر وہ قبیلے والوں کے لئے رات بھر جہاں چکی میں گندم پیس کر آٹا نکالتی ہے وہاں وہ اُسے گوندھ کر اُن کے لیے روٹیاں بھی پکاتی ہے۔ ایک رات جب پہاڑ کے دامن میں انجیر کے ایک درخت کے نیچے وہ چکی میں آٹا پیس رہی ہوتی ہے تو اچانک روشنی ہوتی ہے، یہ روشنی اس لڑکی کو حیران کر دیتی ہے۔ وہ جب اوپر انجیر کی شاخوں کی طرف دیکھتی ہے تو یہ روشنی وہاں ایک پتلی سی شاخ سے پھوٹ رہی ہوتی ہے جہاں اب انجیر کا ایک پھول کھلا ہوتا ہے۔ (انجیر کے پھول کے متعلق روایت ہے کہ یہ پھول جس کے بھی ہاتھ لگے وہ دنیا کا خوش نصیب ترین شخص بن جاتا ہے اور یہ پھول جس چیز میں بھی رکھ دیا جائے اس میں ایسی برکت آتی ہے کہ کبھی ختم نہیں ہوتی)۔ لڑکی اٹھتی ہے اور انجیر کا وہ پھول توڑ لاتی ہے۔ پھول توڑنے کے بعد اچانک وہ خودغرض بن جاتی ہے اور

اسکے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اسے یہ پھول اپنے معمولی سے زیور میں رکھنا چاہیے تا کہ اس کے ڈھیر سارے زیورات ہوں اب دوسرا خیال اسے یہ ستاتا ہے کہ اسے یہ پھول اپنے چاندی کے چند سکوں میں رکھنا چاہیے تا کہ وہ دولت مند بن جائے مگر پھر اچانک نہ جانے کیوں وہ بھاگ کر اپنے گدان میں آتی ہے جس میں گندم ہوتی ہے۔ اب وہ مطمئن ہوتی ہے کہ آج کے بعد ان کا قبیلہ کبھی بھی خوار و بھوکا نہ ہوگا۔ قحط کے دنوں میں جانوروں کو ذبح نہیں کرے گا' ان کے پاس گندم کی ہمیشہ فروانی ہوگی اور وہ سردار کے محتاج نہ ہوں گے پھر وہ سب خوش وخرم زندگی بسر کرسکیں گے۔ آخر کار وہ یہ انجیر کا پھول گندم میں رکھ دیتی ہے۔ اگر ہم افسانہ ''انجیر کا پھول'' کا تجزیہ کریں تو اس میں دو خوبیاں ہمیں نمایاں ملیں گی اولاً منظر کشی اور ثانیاً انسان دوستی و اجتماعیت پسندی' یہاں خانہ بدوش دوشیزہ کا اپنی محرومیوں کو بھول کر اچانک دوسروں کے بارے میں سوچنا اور پھر انجیر کے پھول کو گندم کی بوری میں رکھنا قابلِ ستائش جذبہ ہے اور یہی دراصل ادب کا موٹو ہے۔

براہوئی میں جن ترقی پسند افسانہ نگاروں نے افسانے لکھے ان میں وحید زہیر، عارف ضیاء، گل بنگلزئی، ڈاکٹر نصیر عاقل شامل ہیں۔ ان میں سے بعض ترقی پسند افسانہ نگاروں نے معاشرتی اقدار سے بغاوت پر مبنی افسانے بھی لکھے۔ اس سلسلے میں عارف ضیاء کا افسانہ ''بدن نا سوداگر'' اور تاج رئیسانی کا افسانہ ''والعُصر'' بطور مثال پیش کئے جاسکتے ہیں۔ ان دونوں افسانوں کا موضوع جنس تھا۔

1.2۔ ڈرامہ

براہوئی ادب میں تحریری طور پر ڈرامے کی ابتداء قیام پاکستان کے بعد ہوئی اور یہ اعزاز غلام نبی راہی کو حاصل ہوا۔ ان کا پہلا ڈرامہ ''رابی'' 1956 میں ''بلوچی'' کراچی میں چھپا' جو براہوئی کا پہلا ڈرامہ کہلاتا ہے بعد ازاں مختلف رسائل و جرائد ''نوائے وطن''، ہفت روزہ ''ایلم'' مستونگ اور براہوئی اکیڈمی کوئٹہ سے چھپنے والے سلسلہ وار جرائد ''مستائی''، ''ٹیکی'' اور ''توشہ'' میں غلام حیدر حسرت' ظفر مرزا' اختر ندیم' دوست محمد دوست' میر محمد الفت' حافظ شفیع' ڈاکٹر عبدالنبی' عالم خان مینگل' یوسف ثانی اور غلام نبی راہی کے ڈرامے چھپتے رہے۔

1956ء میں ریڈیو پاکستان کوئٹہ کا قیام عمل میں آنے کے بعد ریڈیائی ڈرامے لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ ابتداء میں ریڈیو سے پیش ہونے والے ڈراموں میں ''جنجال''، ''ٹھکا''، ''گودی نن سیرئن'' اور دیگر شامل تھے۔ ریڈیائی ڈراموں کے باعث براہوئی میں یہ صنفِ ادب ایک نئے دور میں داخل ہوئی اور سلسلہ چل نکلا۔ موجودہ دور میں بھی ریڈیو سے کافی ڈرامے نشر ہوتے ہیں جو فنی اعتبار سے معیاری اور معاشرتی موضوعات سے قریب تر ہونے کی وجہ سے لوگوں میں مقبول ہیں۔ ان میں سلسلہ وار مزاحیہ واصلاحی ڈرامہ ''شہ بیگ و تاخ''، آسراتی و دیگر شامل ہیں۔

ریڈیائی ڈراموں کے ساتھ ساتھ تحریری ڈراموں کا سلسلہ بھی باقاعدگی سے چلتا رہا۔ کہنہ مشق ڈرامہ نگاروں کے علاوہ

نوجوان لکھاریوں نے بھی اس صنف پر توجہ دی جن کے لکھے ہوئے ڈرامے اخباروں اور رسائل میں چھپتے ہیں۔

1974ء میں پاکستان ٹیلی ویژن کوئٹہ مرکز کے قیام اور اس سنٹر سے براہوئی ڈراموں کے ٹیلی کاسٹ ہونے سے اس صنف کو بھرپور فروغ حاصل ہوا۔ پاکستان ٹیلی ویژن کوئٹہ سے پہلا براہوئی ڈرامہ 1975ء میں نشر ہوا۔ ابتدائی ڈراموں میں کاریمی آمار' فوٹوہلنگ' نن نی او اور ملزم شامل ہیں۔ اس کے بعد براہوئی ڈراموں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوا۔ موجودہ دور میں ٹیلی ویژن پر تواتر کے ساتھ براہوئی ڈرامے دکھائے جارہے ہیں جو ہر موضوع پر مبنی ہیں اور معیاری و دلچسپ ہونے کی وجہ سے بے حد مقبول ہیں۔ ان ڈراموں میں تلخو ناجن' رواج' کونٹ' سیخا' گوربام اور دیگر شامل ہیں۔ ان میں سے پیش ہونے والے چند ڈراموں کو ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ علاوہ ازیں براہوئی میں اسٹیج ڈراموں کا رواج بھی عام ہے۔ براہوئی میں اسٹیج ڈرامے' ریڈیائی ڈراموں اور ٹیلی ویژن ڈراموں کے بعد متعارف ہوئے۔ براہوئی کا پہلا اسٹیج ڈرامہ ''خیال کیرے'' کے نام سے 28جون 1978ء کو پیش ہوا جسے غلام نبی راہی نے تحریر کیا تھا۔ بعدازاں براہوئی ادبی سوسائٹی' کوئٹہ کی جانب سے دوسرا اسٹیج ڈرامہ ''دیرخواجہ دیرنوکر'' پیش کیا گیا جسے عارف ضیاء نے تحریر کیا تھا۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً اسٹیج ڈرامے پیش ہوتے رہے جن میں شش و پنج' بشخو نابرام' گروک وغیرہ شامل ہیں۔ نمایاں ڈرامہ نگاروں میں تاج رئیسانی' عارف ضیاء' افضل مراد' میر محمد الفت' منیر احمد بادینی' خداداد گل' خادم لہڑی' اے ڈی بلوچ و دیگر شامل ہیں۔ الغرض براہوئی ڈرامے نے ایک مختصر مدت میں ترقی کی تمام تر منازل جس تیزی سے طے کیں وہ براہوئی زبان کی فصاحت و بلاغت کا منہ بولتا ثبوت ہیں' براہوئی میں ڈرامے کی چند ایک کتابیں بھی چھپی ہیں جن میں غلام نبی راہی کے ڈراموں کا مجموعہ ''استونا بندغ' (1987ء)' افضل مراد کی کتاب ''گونکوٹی سیخا'' (2002ء) اور قیوم بیدار کی مرتب کردہ بچوں کے لئے ڈراموں اور خاکوں پر مشتمل کتاب ''مشغولی'' شامل ہیں۔

1.3- ناول

براہوئی ادب میں ناول نگاری کی صنف اتنی پرانی نہیں بلکہ براہوئی میں ناول حال ہی میں لکھے جانے لگے ہیں۔ 1986ء میں ہمیں پہلا ناول ترجمہ کی صورت میں ''پیرئنگاوسمندر'' کے نام سے ملتا ہے۔ یہ ناول روسی ناول نگار ارنسٹ ہیمنگوے کے مشہور ناول ''The old man and Sea'' کا ترجمہ ہے جسے پروفیسر عزیز مینگل نے ترجمہ کرکے شائع کیا۔ براہوئی کا پہلا طبع زاد ناول گل بنگلزئی کا لکھا ہوا ''دریہو'' ہے جو 1989 میں چھپا۔ بعدازاں انہیں اس ناول پر براہوئی کے پہلے ناول نگار کی حیثیت سے ایوارڈ بھی دیا گیا۔ ناول ''دریہو'' میں دیہی معاشرے اور وہاں کے سادہ لوح لوگوں کے مسائل اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس کے بعد وحید زہیر کا ناول ''شوم'' بھی اسی سال یعنی 1989ء میں چھپا۔ اس ناول میں معاشرے میں اونچ نیچ اور طبقاتی کشمکش جیسے موضوعات کے علاوہ معاشرے کے لوگوں کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے اور پرانی غلط رسموں کے چنگل سے نکلنے کی تلقین بھی شامل ہے۔ گل بنگلزئی نے روسی ناول نگار ٹالسٹائی کے ایک ناول کا

''حاجی مراد'' کے نام سے ترجمہ کر کے کتابی شکل دی۔ ان کا تیسرا ناول ''روش پیش'' 1993ء میں چھپا۔ اس ناول کا موضوع بھی معاشرتی مسائل سے متعلق ہے۔ ڈاکٹر نصیر عاقل کا ناول ''آزادی ناکسر'' 1995ء میں چھپا۔ جس میں خوبصورت انداز سے انہوں نے اپنے معاشرے کے لوگوں کو آزادی کے مفہوم سے آگاہ کرتے ہوئے آزادی کی راہ پر گامزن ہونے کی تلقین کی ہے۔ اسی ناول نگار کا دوسرا ناول ''گودی مَسن تا'' کے نام سے 1996ء میں کتابی صورت میں چھپا۔ نوجوان ناول نگار غلام دستگیر صابر کا لکھا ہوا ناول ''ماہ گل'' 1997ء میں منظر عام پر آیا' یہ ناول چاغی کی سرزمین کے دو کرداروں کی لازوال محبت پر مبنی ہے۔ جس میں یہاں کی معاشرتی زندگی اور رسم ورواج کی بھی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔

1999ء میں ڈاکٹر غلام سرور پرکانی کا لکھا ہوا سائنسی ناول ''ایٹم نازراب'' چھپا جو اپنی نوعیت کا ایک منفرد اور معیاری ناول ہے۔ 2000ء میں شہزاد غنی کا ناول' جو رومانوی موضوع پر مبنی ہے' چھپا۔ بعد ازاں نوجوان لکھاری شاہین بارانزئی کا ناول ''جیجانا جولی'' 2002ء میں کتابی صورت میں چھپا۔ اسی سال میر طاہر خان مینگل نے ٹی جے ایل میئر کے ایک ناولٹ ''سوداگرزادہ'' کو ناول کی شکل دے کر براہوئی اکیڈمی' کوئٹہ سے شائع کروایا۔ براہوئی میں اب تک چھپنے والے ناولوں کی تعداد ایک درجن سے زائد ہے۔

یوں تو براہوئی میں چھپنے والے ان ناولوں مین مختلف النوع موضوعات ملتے ہیں مگر ان میں براہوئی معاشرے کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی اور رسم ورواج کی جھلک بطور خاص ملتی ہے اور یہ اکثر براہوئی ثقافتی پس منظر میں لکھے گئے ہیں۔ جیسے گل بنگلزئی کے ناولوں میں براہوئی روایات واقدار کے متعلق عنوانات شامل ہیں۔ وحید زہیر کے ناولوں میں معاشرے کی برے رسوم پر کڑی تنقید اور معاشرے کے بالادست طبقے کے رویے واستحصال کے خلاف احتجاج جیسے موضوعات شامل ہیں۔ ڈاکٹر نصیر عاقل کے ناولوں میں معاشرے میں نابرابری اور مظلوموں پر ظلم وستم کے خلاف احتجاج جیسے موضوعات ملتے ہیں۔ ان کے ناول ''گودی مسن تا'' میں عورتوں کو معاشرے میں برابر کا حق نہ ملنے اور ان کے ساتھ ناروا سلوک کے متعلق عنوانات موجود ہیں۔ اس ناول میں عورتوں کی مجبوریوں اور محرومیوں کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ ناول کا کردار ایک ایسی لڑکی ہے جو میٹرک کے بعد کالج میں داخلہ لیتی ہے مگر وہاں دوسری سینئر لڑکیوں کی بے راہ روی دیکھ کر ان کے خلاف نیک کردار اپنانے کی ایک تحریک چلانے کا آغاز کرتی ہے اس طرح اس کے گروپ اور سینئر لڑکیوں کے گروپ میں دشمنی کی ابتداء ہو جاتی ہے۔ بالآخر یہ لڑکی دوسرے گروپ کی دشمنی وانتقام کی بھینٹ چڑھ جاتی ہے اور کالج میں منعقدہ ایک تقریب میں اسٹیج پر تقریر کے دوران بم دھماکے کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس ناول مین عورتوں کی آپس میں چپقلش' دشمنی اور نفسیات کی بھی بڑی خوبصورتی سے عکاسی کی گئی ہے۔

بلاشبہ جدید دور میں براہوئی ناول فنی' تکنیکی' معیاری غرض ہر طرح سے ان تمام لوازمات کو پورا کرتا نظر آتا ہے جو ایک معیاری ناول کیلئے ضروری ہوتے ہیں۔

1.4۔ انشائیہ

براہوئی انشائیہ نگاری کی تاریخ اگر چہ بہت پرانی نہیں، مگر چند سالوں سے اس صنف کی جانب بھی توجہ دی جا رہی ہے۔ یوں تو دیگر زبانوں میں بھی انشائیہ ایک نئی صنف کی حیثیت رکھتا ہے مگر براہوئی میں یہ صنف اس قدر نئی ہے کہ اس میں ان لکھنے والوں کی فہرست مختصر سی ہے جنہوں نے اس پر توجہ دی۔ براہوئی انشائیہ کا بانی جو ہر براہوئی کو کہا جا سکتا ہے، جو انشائیہ کو خوبصورت انداز میں سامنے لایا جو ہر براہوئی کی انشائیوں کی کتابوں ''شکر پھل'' اور ''گورپچ'' میں مختلف موضوعات شامل ہیں، جن میں وقت کا سمندر، خُدا کی تلاش، محبت، چاند کا سفر، قلم، بارش کا قطرہ، آزمائش، زیست، یاد، چھاؤں، سوغات وغیرہ کے عنوانات سے لکھے گئے انشائیے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

جو ہر براہوئی کا شمار معتبر انشائیہ نگاروں میں ہوتا ہے، ان کے لکھنے کا انداز بہت ہی منفرد ہے۔ کامل القادری نے بھی براہوئی میں انشائیہ نگاری کی صنف کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے ان کے انشائیوں کی کتاب ''شروخ'' کے نام سے چھپی۔ اسکے علاوہ خُدا داد گل کی انشائیوں کی کتاب ''اٹ ومٹ'' ہے جو 1988ء میں چھپی۔ اس میں انہوں نے سادہ وسہل انداز میں انشائیے تحریر کئے ہیں۔ اسی طرح عبداللطیف بنگلزئی کے انشائیے بھی اپنے موضوع اور فکر و خیال کے اعتبار سے بڑے خوبصورت ہیں۔ ان میں موضوعات کا تنوع بھی ہے اور تحریر کی شائستگی بھی، ان کی انشائیوں کی کتاب ''گڑگیس'' کے نام سے 1995ء میں چھپی۔ انشائیہ نگاری کے فن پر ان کی دوسری کتاب ''براہوئی انشائیہ نگاری'' ''براہوئی ادب میں ایک گرانقدر اضافہ ہے جس میں انہوں نے انشائیہ نگاری کے متعلق معلومات دی ہیں اس کتاب کی انفرادیت یہ ہے کہ براہوئی میں اس سے پہلے انشائیہ کی تکنیک اور دیگر لوازمات پر کوئی کتاب نہیں چھپی۔

1.5۔ سفرنامہ

براہوئی میں بھی دیگر زبانوں کی طرح سفرنامے لکھے گئے ہیں اور ان سفرناموں میں مصنف کے اپنے تاثرات کے علاوہ دوسرے علاقوں کے ماحول اور معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالات کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔ براہوئی میں اس موضوع پر چھپنے والی کتابوں میں قیوم بیدار کی کتاب ''سیلانی'' 1995ء میں جبکہ نور خان محمد حسنی کی کتاب ''سفرنامہ ایران'' 2002ء میں چھپی۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر غلام سرور پرکانی کی کتاب ''دے ٹک نا مسافر'' کے علاوہ جو ہر براہوئی کا لکھا ہوا سفرنامہ ''زِندنارند'' بھی اس صنف میں خوبصورت اضافہ ہے۔ اسی طرح عزیز مینگل، خداداد گل، وحید زہیر اور دیگر ادیبوں کے سفرنامے بھی مختلف اخبار و جرائد میں چھپتے رہتے ہیں۔

1.6۔ تراجم

کسی زبان کے ادب کے فروغ میں تراجم کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ ترجمہ ہی کی بدولت دیگر زبانوں کے ادب سے روشناس ہوا جا سکتا ہے چنانچہ اس ضمن میں براہوئی میں بھی کافی پیش رفت ہوئی اور دنیا کے نامور ادیبوں اور شاعروں کی تحریروں کا براہوئی میں ترجمہ کیا گیا۔ پروفیسر عزیز مینگل نے ارنسٹ ہیمنگوئے کے ناول "The old man and the Sea" کو ''پیرئنگا و سمندر'' کے نام سے 1986ء میں ترجمہ کر کے کتابی صورت میں چھاپا۔ گل بنگلزئی نے ٹالسٹائی کے افسانوں کا ترجمہ ''حاجی مراد'' کے نام سے کیا۔ وحید زہیر' اردو میں ترقی پسند رجحانات کے تحت لکھے گئے افسانوں کا براہوئی میں ترجمہ کر چکے ہیں۔ افضل مراد نے چند بڑی زبانوں کے نامور ترقی پسند شعراء کے کلام کا ترجمہ ''ڈغار نا ڈُکھ'' (زمین کا دکھ) کے نام سے کیا جو کتابی صورت میں 1988ء میں چھپا۔ ڈاکٹر عبدالرزاق صابر نے نامور یونانی فلاسفر کی کتاب ''بوطیقا'' کا 1991ء میں ترجمہ کر کے اسے کتابی شکل دی۔ ظفر مرزا نے علامہ اقبال کے ''شکوہ و جواب شکوہ'' کا ترجمہ کیا جو بعد ازاں کتابی صورت میں چھپا۔ اسی طرح پروفیسر عزیز مینگل نے عمر خیام کی ''رباعیات خیام'' کا ترجمہ ''خیامِ خماری'' کے نام سے 1993ء میں کیا۔ خادم لہڑی نے چند نامور مغربی افسانہ نگاروں کے افسانوں کو ''گنگ دام'' کے نام سے ترجمہ کر کے 1999ء میں شائع کیا۔ عارف ضیاء نے شکسپیئر کے چند مشہور ڈراموں کا ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ چند دینی کتابوں کے تراجم بھی براہوئی میں ہوئے۔ جن میں عبدالصمد شاہین کا اردو کے معروف نعت گو شاعر محشر رسول نگری کی نعتوں کے مجموعے ''فخر کونینؐ'' کا اسی نام سے ترجمہ شامل ہے جو حال ہی میں چھپا جبکہ ایک کتاب ''سیرت مصطفیٰ ﷺ'' کے نام سے چھپی جسے غلام نبی راہی نے ترجمہ کیا۔ اسی طرح بعض صوفیاء کے کلام کے تراجم بھی براہوئی میں ہوئے جن میں جوہر براہوئی کے شاہ عبداللطیف بھٹائی کے سندھی کلام اور صوفی شاعر حضرت سلطان باہوؒ کے کلام کے تراجم شامل ہیں۔ علاوہ ازیں اسی ترجمہ نگار نے شاعر مشرق علامہ اقبال کے ''شکوہ و جواب شکوہ'' کا منظوم ترجمہ بھی کیا جو 2002ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی' اسلام آباد کے شعبہ پاکستانی زبانیں کی جانب سے سال اقبال کے حوالے سے چھپنے والی کتاب میں شامل ہے۔ وزارت مذہبی امور' اسلام آباد کے زیر اہتمام اسلامی تعلیمات کے متعلق بچوں کے لئے چند کتابچوں کے تراجم بھی شائع ہوئے ہیں۔

ترجمہ کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے 1991ء کے سال کو براہوئی ادب میں ترجمہ کا سال قرار دیا گیا۔ یوں اس سال کی مناسبت سے بھی چند ایک تراجم کی کتابیں چھپی۔ اس سلسلے میں براہوئی کے ہفت روزہ اخبار ''ایلم'' مستونگ کا 17 دسمبر 1991ء کا شمارہ بھی ''ترجمہ نمبر'' کے طور پر شائع ہوا جس میں نظم و نثر دونوں اصناف میں تراجم شائع ہوئے۔ اسی طرح براہوئی رسالہ' سہ ماہی ''دے تک'' کوئٹہ کے 1991ء کے پہلے شماروں کو بھی ''ترجمہ نمبر'' کے حوالے سے شائع کیا گیا۔

1.7- تنقید

کسی بھی زبان کے ادب کے فروغ میں تنقید کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ جس ادب میں تنقید قبول کرنے اور تنقید برداشت کرنے کی جتنی صلاحیت ہوتی ہے وہ ادب اتنا ہی معیاری ہوتا ہے۔ ادب کے معیار کو برقرار رکھنے اور اس میں فکر وفن کو فروغ دینے کے لیے تنقید بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ براہوئی ادب میں بھی نقد ونظر کے حوالے سے کافی کام ہورہا ہے جس کے باعث براہوئی ادب میں معیاری اور مثبت تحریریں سامنے آرہی ہیں۔

براہوئی ادب میں تنقید کو فروغ دینے کے لیے متفقہ فیصلے کے مطابق 1997ء کو ''تنقید کا سال'' قرار دیا گیا۔ جس کے دوران نظم ونثر دونوں اصناف پر مبنی تحریروں پر تنقیدی مضامین لکھے گئے جن میں افضل مراد کے افسانہ ''گوتلوٹی سیخا'' وحید زہیر کے افسانہ ''چغل چک'' خادم لہڑی کے افسانہ ''قلف نا بھیم'' اور دیگر بہت سے افسانوں کے علاوہ شاعری کی کتابوں پر بھی تنقیدی مضامین شائع ہوئے۔ ہفت روزہ براہوئی اخبار ''ایلم'' مستونگ اور سہ ماہی ''دے ٹک'' کوئٹہ کے تنقید نمبر بھی شائع ہوئے۔

تنقید کے حوالے سے 1997ء میں چھپنے والی ڈاکٹر عبدالرزاق صابر کی کتاب ''اصول تنقید'' بھی اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔ علاوہ ازیں براہوئی ادبی سوسائٹی' براہوئی اکیڈمی اور ''بلسم رنگ'' کی تنقیدی نشستیں بھی اس سلسلے میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ براہوئی نقادوں میں ڈاکٹر عبدالرحمن براہوئی، پروفیسر عاقل خان مینگل، پروفیسر نادر قمبرانی' پروفیسر عزیز مینگل، پروفیسر خدادادگل، ڈاکٹر عبدالرزاق صابر' پروفیسر سوسن براہوئی' ڈاکٹر نذیر احمد شاکر اور قیوم بیدار کے نام قابل ذکر ہیں۔

2- خود آزمائی

1۔ براہوئی ناول اور ڈرامہ کے ارتقائی سفر پر روشنی ڈالیں؟

2۔ براہوئی افسانہ کے فروغ میں کن افسانہ نگاروں نے اہم کردار ادا کیا۔ مفصل جائزہ پیش کریں؟

3۔ براہوئی میں تنقید وتراجم کی صورت حال پر روشنی ڈالیں؟

4- براہوئی میں لکھے گئے انشائیے اور سفرنامے کا جائزہ پیش کریں؟

M.Phil
Pakistani Languages and Literature

Balochi, Brahui

DEPARTMENT OF PAKISTANI LANGUAGES
Allama Iqbal Open University Islamabad